شمارہ نمبر ۲۳، ستمبر ۲۰۱۰ء، الموافق رمضان ۱۴۳۱ھ

صحیح حدیث اور اہلحدیث

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

صحیح حدیث دین ہے، صحیح حدیث کو اپنانا اہل حدیث کا شعار ہے، جیسا کہ:

① امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **واعلم ـ رحمک اللّٰہ ـ أنّ صناعة الحدیث ، ومعرفة أسبابه من الصحیح والسقیم ، إنّما هی لأهل الحدیث خاصّة ، لأنّهم الحفّاظ لروایات الناس ، العارفین بها دون غیرهم ، إذ الأصل الذی یعتمدون لأدیانهم السنن والآثار المنقولة ، من عصر إلی عصر ، من لدن النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم إلی عصرنا هذا .**

''اللہ آپ پر رحم کرے! جان لیں کہ فنِ حدیث اور اس کی صحت وسقم کے اسباب کی معرفت صرف اہل حدیث کا خاصہ ہے، کیونکہ وہ لوگوں کی روایات کو یاد رکھنے والے اور وہی ان کو جاننے والے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے مذاہب کی دلیل وہ سنن وآثار ہیں جو زمانہ بہ زمانہ نبیٔ اکرم ﷺ سے ہمارے دور تک نقل ہوتے آئے ہیں۔'' (کتاب التمییز لامام مسلم : ص ۲۱۸)

② امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وأنا مبیّن علله ، إن وفّق اللّٰہ لذلک ، حتّی لا یغترّ بعض طلّاب الحدیث به ، فیلتبس الصحیح بغیر الثابت من الأخبار ، قد أعلمت ما لا أحصی من مرّة أنّی لا أستحلّ أن أموّه علی طلّاب العلم بالاحتجاج بالخبر الواهیة ، وإنّی خائف من خالقی جلّ وعلا ، إذا موّهت علی طلّاب العلم بالاحتجاج بالأخبار الواهیة ، وإن کانت حجّة لمذهبی .**

''اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو میں اس کی علتیں واضح کروں گا تاکہ بعض طالبانِ حدیث اس سے دھوکہ نہ کھا جائیں اور صحیح حدیث غیر ثابت حدیث کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو جائے۔ میں نے

بہت دفعہ خبردار کیا ہے کہ میں ضعیف احادیث کے ساتھ طالبانِ حدیث پر حجت پکڑ کر دھوکہ دینے کو حلال نہیں سمجھتا۔ میں اپنے خالق جل وعلا سے ڈرتا ہوں کہ میں طالبانِ حدیث کو ضعیف حدیث کے ساتھ حجت پکڑ کر دھوکہ دوں، اگرچہ وہ میرے مذہب کی دلیل ہی کیوں نہ ہوں!''

(كتاب التوحيد لابن خزيمة : ٥٣٣/٢)

③ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لأنّا لا نستحلّ الاحتجاج بغير الصحيح من سائر الأخبار ، وإن وافق ذلک مذهبنا ، ولا نعتمد من المذاهب إلّا على المنتزع من الآثار ، وإن خالف ذلک قول أئمتنا .**

''کیونکہ ہم غیر صحیح احادیث کے ساتھ حجت ودلیل لینا جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ہمارے مذہب کے موافق ہو اور ہم صرف اسی مذہب پر اعتماد کرتے ہیں جو احادیث وآثار سے ثابت ہو، اگرچہ وہ ہمارے ائمہ کرام کے قول کے خلاف ہی ہو۔''

(صحيح ابن حبان ، تحت حديث : ١١١٢)

نیز فرماتے ہیں: **ذكر رحمة الله جلّ وعلا من بلّغ أمّة المصطفى صلّى الله عليه وسلّم حديثا صحيحا عنه .** ''اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان جو محمد ﷺ کی امت کو آپ کی کوئی صحیح حدیث پہنچائے۔''

(صحيح ابن حبان ، تحت حديث : ٦٧)

④ امام ابوالمظفر السمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولكن يحتجّ بقول التابعيّ على قول النبيّ أو بحديث مرسل ضعيف على حديث متّصل قويّ ، ومن هنا امتاز أهل اتّباع السنّة عن غيرهم ، لأنّ صاحب السنّة لا يألو أن يتّبع من السنن أقواها ، ومن الشهود عليها أعدلها وأتقاها ، وصاحب الهوى كالغريق يتعلّق بكلّ عود ضعيف أو قويّ .**

''لیکن ہر بدعتی نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے خلاف کسی تابعی کا قول بطورِ حجت پیش کرتا

ہے یا متصل قوی سند والی حدیث کے خلاف مرسل ضعیف حدیث کو پیش کرتا ہے۔اس بنیاد پر سنت کے متبعین غیروں سے ممتاز ہوتے ہیں، کیونکہ صاحبِ سنت حدیثوں میں سے سب سے قوی اور گواہوں میں سے سب سے عادل اور متقی کی بات کو ماننے میں کوتاہی نہیں کرتا، جبکہ بدعتی شخص اس ڈوبنے والے کی طرح ہوتا ہے، جو ہر کمزور اور مضبوط تنکے کا سہارا لیتا ہے۔'' (الانتصار لاصحاب الحدیث للسمعانی : ص ۵۵۔۵٦)

④ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا يجوز أن يعتمد في الشريعة على الأحاديث الضعيفة التي ليست صحيحة ولا حسنة .**

''شریعت میں ان ضعیف احادیث پر اعتماد کرنا جائز نہیں، جو صحیح یا حسن نہ ہوں۔''

(مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ۱/۲۵۰)

⑤ حافظ ابنِ رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فأمّا الأئمّة وفقهاء أهل الحديث ، فإنّهم يتّبعون الحديث الصحيح حيث كان ، إذا كان معمولاً به عند الصحابة ومن بعدهم ، أو عند طائفة منهم ، فأمّا ما اتّفق على تركه ، فلا يجوز العمل به ، لأنّهم ما تركوه إلّا على علم أنّه لا يعمل به .**

''ائمہ وفقہائے اہل حدیث صحیح حدیث کا اتباع کرتے ہیں، وہ جہاں بھی ہو، جب وہ صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کے نزدیک اتفاقی طور پر یا ان میں سے ایک طائفہ کے ہاں معمول بہ ہو۔ رہی وہ صورت کہ جب اس کے ترک پر صحابہ وتابعین کا اتفاق ہو جائے تو اس پر عمل جائز نہیں، کیونکہ صحابہ وتابعین نے اس پر عمل اسی لیے چھوڑا ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔'' (فضل علم السلف علی الخلف لابن رجب : ص ۵۷)

مسلک اہلحدیث کی بنیاد قرآن، صحیح احادیث، اجماعِ امت اور فہمِ سلف پر ہے۔ مسلک اہل حدیث کا ایک بھی مسئلہ ایسا نہیں، جس کی بنیاد کسی ''ضعیف'' حدیث پر ہو۔ مدعی پر دلیل لازم ہے! یاد رہے کہ کسی شخص کا انفرادی اجتہاد مسلک اہل حدیث نہیں ہے۔

نبی اُمّی

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

اہل سنت والجماعت کا اجماعی و اتفاقی مسئلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری دم تک اُمی (اَن پڑھ) رہے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔آپ ﷺ کا یہ وصفِ جمیل پہلے نازل ہونے والی کتابوں میں بھی مذکور تھا۔ یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے نبیٔ اکرم ﷺ کو پڑھنا لکھنا نہیں سکھایا تا کہ اہل باطل کو بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

حافظ بیہقی رحمہ اللہ (م ۴۵۸ھ) نے حافظ خطابی رحمہ اللہ (م ۳۸۸ھ) سے نقل کیا ہے

ومن دلائل نبوّته صلّى الله عليه وسلّم أنّه كان رجلا أمّيّا ، لا يخطّ كتابا بيده ، ولا يقرؤه ، ولد في قوم أمّيّين ، ونشأ بين ظهرانيهم في بلد ليس بها عالم يعرف أخبار المتقدّمين ..... ''آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ امی آدمی تھے، آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے خط نہ لکھ سکتے تھے، نہ ہی اسے پڑھ سکتے تھے۔آپ ﷺ امی قوم میں پیدا ہوئے، انہی کے درمیان آپ ﷺ نے ایسے علاقے میں پرورش پائی، جہاں پہلے لوگوں کی خبروں کو جاننے والا کوئی شخص موجود نہ تھا۔۔۔''

(الاعتقاد للبيهقي : ٣٤٧)

دلیل نمبر ① : شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) لکھتے ہیں: **فإنّ محمّدا باتّفاق أهل المعرفة بحاله كان أمّيّا .**

''تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ محمد ﷺ اُمی تھے۔''

(الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح لابن تيمية : ٧٢/٢)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) رسول اللہ ﷺ کی صفاتِ جلیلہ کا تذکرہ کرتے

ہوئے فرماتے ہیں: أنّه أمّیّ ، لأنّه لم یکن یحسن الکتابة .

''آپ ﷺ امی تھے، کیونکہ آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے۔''

(تفسیر ابن کثیر : ۲۷۵/۱)

دلیل نمبر ② : ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴾ (الاعراف : ۱۵۸)

''تم اللہ تعالیٰ اور اس امی نبی پر ایمان لاؤ، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا سکو۔''

دلیل نمبر ③ ، ④ : فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴾ (العنکبوت : ۴۸)

''اور (اے نبی!) آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھ سکتے تھے، نہ ہی اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے۔''

اس آیتِ کریمہ کی تشریح و توضیح میں حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أی : قد لبثت فی قومک - یا محمد - ومن قبل أن تأتی بهذا القرآن عُمرا لا تقرأ کتابا ولا تحسن الکتابة ، بل کلّ أحد من قومک وغیرهم یعرف أنّک رجل أمّیّ لا تقرأ ولا تکتب ، وهکذا صفته فی الکتب المتقدّمة ، کما قال تعالی : ﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ الآية (الأعراف : ۱۵۷) ، وهکذا کان صلوات اللّٰه وسلامه علیه دائما أبدا إلی یوم الدین ، لا

یحسن الکتابة ولا یخطّ سطرا ولا حرفا بیده ، بل کان له کتاب یکتبون بین یدیه الوحی والرسائل إلی الأقالیم .

''یعنی اے محمد! آپ قرآن کے نزول سے پہلے اپنی قوم میں ایک عرصہ رہے ہیں، آپ پڑھ لکھ نہیں سکتے تھے، بلکہ آپ کی قوم اور دوسری قوموں کا ہر آدمی جانتا ہے کہ آپ اُمی آدمی ہیں، لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ گزشتہ کتب میں بھی آپ ﷺ کی یہی صفت مذکور تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِینَ یَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِیَّ الأُمِّیَّ الَّذِی یَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِیلِ یَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَیَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (الأعراف : ۱۵۷) (وہ لوگ جو اُمی نبی کی پیروی کرتے ہیں، جسے وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ نبی ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور ان کو برائی سے منع کرتا ہے)۔ آپ ﷺ کی وفات تک یہی کیفیت رہی کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے ایک سطر اور ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتے تھے، بلکہ آپ ﷺ کے لیے کاتبین تھے، جو آپ ﷺ کے سامنے وحی اور دوسرے علاقوں کی طرف خطوط لکھتے تھے۔۔۔'' (تفسیر ابن کثیر : ٦٢/٥)

منکرینِ حدیث چونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ اَن پڑھ نہیں تھے، لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لہٰذا وہ اس آیتِ کریمہ سے ایک شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ ''یہاں قرآنِ کریم نے کتابیں پڑھ سکنے'' کی نفی اور ''اپنے ہاتھ سے لکھنے'' کی نفی صرف نزولِ قرآن سے پہلے زمانہ کے لیے کی ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد آپ بخوبی لکھ پڑھ سکتے تھے۔''

یہ انتہائی کمزور استدلال ہے، جیسا کہ:

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے الفاظ ﴿ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: أی : لو کنت تحسنها لارتاب بعض الجهلة من الناس ، فیقول : إنّما تعلم هذا من کُتب قبله مأثورة عن الأنبیاء ، مع أنّهم قالوا ذلک

مع علمهم بأنّه أمّيّ لا يحسن الكتابة : ﴿ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلا ﴾ (الفرقان : ٥)

''یعنی اے نبی! اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو بعض جاہل لوگ شک میں پڑ جاتے اور کہتے کہ آپ تو پہلے انبیاء کی منقول کتب سے یہ چیزیں سیکھتے ہیں۔ پھر انہوں نے جانتے ہوئے کہ آپ ﷺ امی ہیں، لکھ نہیں سکتے، یہ کہہ دیا تھا: ﴿ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلا ﴾ (الفرقان : ٥) (کافروں نے کہا کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں، جو اس کو صبح و شام لکھوائے جاتے ہیں)۔۔۔'' (تفسير ابن كثير : ٦٢/٥)

اس آیتِ کریمہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین و کفار کے ردّ و جواب میں فرما رہے ہیں کہ جب یہ حقیقت آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نزولِ قرآن سے پہلے نبیٔ اکرم ﷺ لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے تو قرآن کے نازل ہونے کے بعد آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ ''قرآن پہلوں کی جھوٹی باتیں ہیں۔ وہ خود لکھ لیتا ہے۔ صبح و شام اس کو لکھوائی جاتی ہیں۔'' کہاں تک صحیح ہے؟

جب نزولِ قرآن سے پہلے آپ ﷺ امی (اَن پڑھ) تھے تو نزول کے بعد قرآن خود کیسے لکھ لیتے ہیں؟ اور پہلی کتابوں کا مطالعہ کیسے کر لیتے ہیں؟ چونکہ یہ دلیل مخالف کفار کو بھی تسلیم تھی۔ اس لیے اس کو ذکر کر دیا۔ جو دلیل مخالف کو بھی تسلیم ہو، وہ زیادہ مؤثر اور مقبول ہوتی ہے۔ افہام و تفہیم کی بہتر صورت یہی تھی، اس لیے اس کو اختیار کیا گیا۔

یہ نہیں فرمایا کہ آپ پڑھ لکھ نہیں سکتے ہیں، کیونکہ اس کے برعکس مخالف یہ کہتے سکتے تھے کہ آپ قرآن خود لکھ لیتے ہیں، اس سے تصادم بڑھ جاتا، مسلّم دلیل پیش کی گئی۔

منکرینِ حدیث کفار کی تقلید میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ نزولِ قرآن کے بعد نبیٔ اکرم ﷺ پڑھ لکھ لیتے تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس رسول پر ایسی کتاب اترے، جس میں تقریباً ایک لاکھ تک کی گنتی ہو، تقسیمِ میراث کا حساب و کتاب ہو، زکوٰۃ و مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون ہو، کیا وہ ایسا ہو سکتا ہے کہ نہ تو پڑھ سکے، نہ لکھ سکے؟

مسلمان کہتے ہیں کہ یہی تو معجزہ ہے، جس کے انکار کے لیے تم ظن وتخمین پیش کرتے ہو۔ یہ نبیٔ اکرم ﷺ پر افترا و بہتان ہے اور قرآن وحدیث اور اجماعِ امت کی تکذیب ہے۔ اہل علم وعقل کی مخالفت ہے۔

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں: **فلمّا كتبوا الكتاب ، كتبوا : هذا ما قاضى عليه محمّد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فقالوا : لا نقرّ بها ، فلو نعلم أنّك رسول اللّه ما منعناك ، لكن أنت محمّد بن عبد الله ، قال : أنا رسول الله ، وأنا محمّد بن عبد الله ، ثمّ قال لعليّ : امح رسول الله ، قال : لا ، والله ! لا أمحوك أبدا ، فأخذ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم الكتاب ، فكتب : هذا ما قاضى عليه محمّد بن عبد الله .....**

''جب مسلمانوں اور مشرکین نے معاہدہ لکھا تو صحابہ کرام نے لکھ دیا، یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، اس پر مشرکین نے کہا، ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو مکہ سے نہ روکتے، آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور عبداللہ کا بیٹا بھی ہوں، پھر آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، رسول اللہ کا لفظ مٹادو، انہوں نے عرض کیا، اللہ کی قسم! میں آپ کا نامِ نامی نہیں مٹا سکتا! آپ ﷺ نے اس تحریر کو پکڑا اور لکھ دیا، یہ وہ معاہدہ ہے، جو محمد بن عبداللہ نے کیا ہے۔۔۔''

(صحيح البخاری : ٦١٠/٢ ، ح : ٤٢٥١)

(ا) یہ مجازِ مرسل ہے۔ کام کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی ہے، جس سے کام صادر نہ ہوا۔ یہاں لکھنے کی نسبت نبیٔ اکرم ﷺ کی طرف کر دی گئی ہے۔ یہ اسی قبیل سے ہے، جیسے بنیٰ أمير المدينة . یعنی امیر نے شہر کی تعمیر کی، جبکہ اس نے خود تعمیر نہیں کی ہوتی، بلکہ

اس کے حکم سے تعمیر ہوتی ہے، لیکن اس کی طرف منسوب ہو جاتی ہے۔

صلح حدیبیہ کے قصہ کے متعلق یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

واللّٰه ! إنّی رسول اللّٰه ، وإن كذّبتمونی ، اكتب : محمّد بن عبد اللّٰه .

''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ محمد بن عبداللہ لکھ دو۔''

(مسند الامام احمد : ٣٣٠/٤، صحیح البخاری : ٢٧٣١، ٢٧٣٢)

یہ دونوں حدیثیں نصِ قطعی ہیں کہ **فكتب** کا معنیٰ مجازی ہے۔ آپ ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا تھا، نہ کہ خود لکھا تھا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اكتب محمّد رسول اللّٰه ، قالوا : لو علمنا أنّک رسول اللّٰه ، لاتبعناک ، ولكن اكتب اسمک واسم أبیک ، فقال النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم : اكتب من محمّد بن عبد اللّٰه ... ''محمد رسول اللہ لکھو، کفار نے کہا، اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہوتے تو ضرور آپ کی پیروی کر لیتے، آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیں، اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، لکھو، محمد بن عبداللہ کی طرف سے۔۔۔''

(صحیح مسلم : ١٠٥/٢، ح : ١٧٨٤)

حافظ سہیلی رحمہ اللہ (م۵۸۴ھ) لکھتے ہیں: **وإنّما معنیٰ : كتب ، أی أمر أن یكتب ، وكان الكاتب فی ذلک الیوم علیّ بن أبی طالب ...**

''بلاشبہ لکھنے سے مراد یہاں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس دن کاتب سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔۔۔'' (الروض الانف للسهيلي : ص ٥١)

اس پر ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

امح رسول اللّٰه ، فقال علیّ : واللّٰه ! لا أمحاه أبدا ، قال : أرنیه ، قال : فأراه إیّاه ، فمحاه النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم بیده .

''رسول اللہ کا لفظ مٹا دیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی نہیں مٹاؤں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے یہ لفظ دکھا دو، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ مٹا دیا۔۔۔''

(صحیح البخاری : ٤٥٢/١، ح : ٣١٨٤، صحیح مسلم : ١٠٥/٢، ح : ٩٢/١٧٨٣)

شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (٧٧٣-٨٥٢ھ) لکھتے ہیں:

فیحمل علی أنّ النکتة فی قوله : فأخذ الکتاب ، ولیس یحسن یکتب ، لبیان أنّ قوله : أرنی إیّاها ، أنّه ما احتاج إلی أن یریه موضع الکلمة التی امتنع علیّ من محوها إلّا لکونه کان لا یحسن الکتابة .

''اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ راوی کا یہ کہنا کہ **فأخذ الکتاب ، ولیس یحسن یکتب** (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کو پکڑا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا نہیں جانتے تھے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وضاحت کے لیے ہے کہ مجھے وہ کلمہ دکھاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا نہیں جانتے تھے، اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے محتاج ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کلمہ دکھایا جائے، جس کو مٹانے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ رک گئے تھے۔'' (فتح الباری لابن حجر : ٥٠٤/٧)

تنبیہ : حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ لکھنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کلمات لکھنا آتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر خود اپنا اسمِ گرامی لکھا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی ہی تھے (تذکرۃ الحفاظ للذہبی : ٢٢٠/٢)، مرجوح ہے، کیونکہ ہم احادیث سے ثابت کر آئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اسمِ گرامی لکھنے کا حکم دیا تھا، خود نہیں لکھا تھا۔

فائدہ : سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنّا أمّة أمّیّة ، لا نکتب ولا نحسب ، الشهر هکذا وهکذا ، یعنی مرّة تسعة وعشرین ومرّة ثلاثین . ''ہم اَن پڑھ لوگ ہیں، ہم لکھنا اور حساب کرنا نہیں

جانتے ،مہینہ اتنا اتنا ہوتا ہے، آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ کبھی مہینہ انتیس دنوں کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دنوں کا۔''

(صحیح البخاری : ١/ ٢٥٦، ح : ١٩١٣، صحیح مسلم :٣٤٧/١ ، ح : ١٥/١٠٨٠)

اس حدیث میں نبیٔ اکرم ﷺ کے دور کے اکثر لوگوں کا حال بیان ہوا ہے کہ وہ اَن پڑھ تھے یا اس سے مراد خود نبیٔ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

تنبیہ بلیغ : مشہور منکرِ حدیث تمنا عمادی پھلواروی نے اس حدیث کے راوی الاسود بن قیس العبدی الکوفی بالاتفاق ثقہ کو الاسود بن یزید بن قیس النخعی الکوفی بنا کر زبان درازی کی ہے۔(نبی امی از تمنا عمادی : ص ٢١)

وہ دن آنے والا ہے ، جس دن اللہ تعالیٰ مفتریوں ، کذابوں ، دجالوں ، ظالموں اور ناانصافوں سے حساب وکتاب لے لے گا۔

فائدہ : عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں: ما مات النبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم حتّی قرأ و کتب . ''نبیٔ اکرم ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے ،جب تک آپ ﷺ نے پڑھنا لکھنا شروع نہ کر دیا۔''(سیر اعلام النبلاء للذہبی : ١٩٠/١٤)

تبصرہ : اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔فتح الباری(٥٠٤/٧) میں مجالد کی تصحیف مجاہد سے ہوگئی ہے۔حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فضعیف ، لا أصل له . ''یہ ضعیف ہے،اس کی کوئی اصل نہیں۔''

(تفسیر ابن کثیر : ٦٢/٥)

الحاصل : رسول اللہ ﷺ اُمّی تھے،لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔یہ آپ ﷺ کا معجزۂ مبارکہ تھا۔

عورت سے غیر فطری مباشرت

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اللہ تعالیٰ کے بے غایت لطف وکرم سے عورت مرد کے لیے سکون کا باعث ہے۔ یہ سکون اس وقت ناپید ہو جاتا ہے، جب مرد، عورت سے غیر فطری مباشرت کر کے اس کے تقدس کو پامال کر دیتا ہے، کیونکہ یہ اقدام حکم شریعت کی سخت خلاف ورزی ہے، نیز اخلاق وشرافت کے منافی بھی ہے۔ اس قبیح فعل کو نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی نقل اس کی تائید میں ہے۔ البتہ گدھے کتے اور خنزیر جیسے جانور ایسا ضرور کر سکتے ہیں یا پھر کفار۔ فطرتِ سلیمہ اور طبعِ مستقیم کے حامل مسلمان سے اس جریمہ کا ارتکاب ناممکن ہے۔

عورت کو پشت (Anus) سے استعمال کرنا گناہ کی سب سے بھیانک اور بد بخت صورت ہے۔ اس سے انسان قوائے فکری وعملی پر سخت چوٹ لگتی ہے۔ اس قبیح فعل کا نتیجہ ذلت وخسران اور تباہی وبربادی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس کے فاعل کو ہمیشہ ذلت ونامرادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ مغضوب علیہم قوموں کے آثارِ سیئہ اور اخلاقِ قبیحہ میں سے ایک گناہ ہم جنس پرستی، عملِ قومِ لوط اور عورت سے لواطت کرنا ہے۔ فواحش ورذائل کی لسٹ میں اور طبعِ سلیم کی کراہت ونکارت کے لحاظ سے یہ گناہ بدکاری سے بڑھ کر ہے۔ کفر کے بعد اس کا نمبر آتا ہے۔ اس کے نقصانات اور بد اثرات معاشرہ پر قتل سے بڑھ کر ہیں۔

اس کا جواز پیش کرنا محض دعویٰ بلا دلیل پر اصرار ہے، اس لیے کہ یہ اسلام کی بے لوث اور پاک تعلیم پر حملہ ہے، نیز اسلامی تہذیب وتمدن کی تمام نزاکتوں کو تار تار کر دینے کے مترادف ہے۔ یہ دینی وانسانی مصلحت سے عاری ایسا جرمِ عظیم ہے، جو ایک مسلمان سے ثقاہت وتقویٰ کی دولت چھین لیتا ہے۔ یہ شوہر وزن کے خوشگوار تعلقات کو نفرت وعداوت میں بدل دیتا ہے۔ رشتہ ازدواج کے تقدس کو پامال کر دیتا ہے، انسانی صحت کو روگ لگا دیتا ہے، روحانیت کو سلب

کرلیتا ہے۔

جب کوئی اپنی بیوی سے لواطت کرتا ہے، اس وقت وہ عقل وفکر کے نزدیک مسلمات کو للکار رہا ہوتا ہے۔ قرآنِ عزیز اور حدیث شریف کی پاکیزہ تعلیمات سے آشنا مسلمان سے اس بُرے فعل کا ارتکاب مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

واضح رہے کہ جس قوم کے اندر یہ بے ہودہ اور فحش گناہ پایا گیا، مولائے کریم نے انہیں دنیا ہی میں مرقعِ عبرت اور داستانِ موعظت بنایا ہے۔ یہ انعکاسِ فطرت پر مبنی نازیبا عمل بے راہروی اور آوارہ مزاجی کی ایسی لعین عادت ہے، جو جواب اخلاق باختہ اور لادینی فسق وفجور میں غرقاب، شہوات ولذات میں منہمک، عصیان ومعاصی کے دلدل میں بری طرح پھنسے ہوئے، بلکہ دھنسے ہوئے یورپ کے پانچ ملکوں میں قانون کا درجہ حاصل کر چکی ہے اور انسانیت کے لیے باعثِ ننگ وعار اس قانون پر کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی۔

تُف ہے ایسی تہذیب پر! مالکم کیف تحکمون .

شریعتِ اسلامیہ چونکہ پاکیزہ، صاف ستھرے، شگفتہ اور بہار آفریں احکامات پر مبنی ہے، لہٰذا وہ انسان کو بہیمی خواہشوں، نفس پرستیوں، اعمالِ شیطانیہ اور افعالِ خبیثہ سے بچاتی ہے۔ وہ ہمارے اندر نیکی کا جذبہ اور بُرائی سے اجتناب کی قوت پیدا کرتی ہے۔ وہ ہمیں ہماری خواہشوں اور تمناؤں کو حدِ اعتدال فراہم کرتی ہے۔ اس لیے شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ایسی رذالتوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ حتی کہ ایک شخص اپنی حلال اور منکوحہ بیوی کو بھی پشت سے استعمال نہیں کرسکتا، کیونکہ ایسا کرنا مقصدِ شریعت کے خلاف ہے اور محض حیوانی جذبہ کی تسکین ہے۔

افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ منبر ومحراب پر سکتہ طاری ہے، جبکہ روزانہ کتنے لوگ اس مذموم فعل کا مرتکب ہو کر اپنا دل اور منہ کالا کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے معاشرہ کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنا چاہتے ہیں اور معاشرے کے لیے مفید افراد پیدا کرنے کے خواہاں ہیں تو انسانوں میں صالحیت اور تقویٰ لانا ہوگا۔ انسانی ہمدری کے جذبہ سے سرشار ہو کر آگے بڑھنا ہوگا اور اس گناہ

کے بھیانک نتائج سے انسانوں کو آگاہ کرنا ہوگا۔ یہ لعین عادت فاعل ومفعول میں سوزاک، جریان، جسم میں سوزش، نیز مفعول کے لیے لیکوریا اور بواسیر کا سبب ہے۔

عورت سے لواطت ایسا قبیح کام ہے، جو شرعاً ناجائز وحرام اور کبیرہ گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی کا باعث ہے، اس فعل کی قباحت کو بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام ثانی، عالمِ ربانی علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

وأمّا الـدُّبرُ فلم يُبَحْ قَطُّ على لسان نبيٍّ من الأنبياء ، ومَن نسب إلى بعض السَّلَف إباحة وطء الزوجة في دُبُرها ، فقد غلط عليه .

''دبر میں وطی کرنا کسی نبی کی زبانی جائز قرار نہیں دیا گیا، جس شخص نے بعض سلف کی طرف بیوی کی دبر میں وطی کرنے کا جواز منسوب کیا ہے، اس نے غلط بیانی کی ہے۔''

(زاد المعاد لابن القيم : ٢٥٧/٤)

حافظ بغوی رحمہ اللہ (۴۳۶۔۵۱۰ھ) لکھتے ہیں: **أمّا الإتيان في الدبر فحرام ، فمن فعله جاهلا بتحريمه ، نهي عنه ، فإن عاد عزّر .**

''بیوی کی دبر میں جماع کرنا حرام ہے، جو شخص اس کی حرمت سے جہالت کی بنا پر ایسا کرے، اسے روکا جائے گا، اگر دوبارہ کرے تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔''

(شرح السنة للبغوي : ٦/٩)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: **وأمّا إتيان النساء في الأدبار فهو اللوطيّة الصغرى ، وهو حرام بإجماع العلماء إلّا قوما واحدا شاذا لبعض السلف ، وقد ورد في النهي عنه أحاديث عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .** ''عورتوں کی دبر میں جماع کرنا قومِ لوط کے عمل سے ملتا جلتا کام ہے، یہ باتفاقِ علما حرام ہے، سوائے ایک گروہ کے، جو کہ سلف صالحین سے الگ ہوگیا ہے، حالانکہ اس فعل سے ممانعت کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں۔'' (تفسير ابن كثير : ١٨٣/٣)

ابنِ نجیم حنفی (م۹۷۰ھ) لکھتے ہیں: **استحلال اللواطة بزوجته کفر عند الجمهور .** ''اپنی بیوی سے دبر میں جماع کو حلال سمجھنا جمہور علما کے نزدیک کفر ہے۔'' (الاشباہ والنظائر لابن نجیم : ص ۱۹۱)

معزز قارئین! آپ کو بتاتے چلیں کہ یہ برا کام شیعہ مذہب میں جائز ہے، جیسا کہ خمینی صاحب لکھتے ہیں: **والأقوی والأظهر جواز وطئ الزوجة مع الدبر علی کراهية شديدة .** ''قوی ترین اور راجح بات یہ ہے کہ شدید کراہت کے باوجود بیوی کی دبر میں جماع کرنا جائز ہے۔'' (تحریر الوسیلة للخمینی : ۲۴۱/۲، مسئلہ نمبر ۱۱)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وطئ المرأة فی دبرها حرام بالکتاب والسنّة ، وهو قول جماهير السلف والخلف ، بل هو اللوطيّة الصغریٰ ... ''عورت کی دبر میں جماع کرنا کتاب وسنت کی رو سے حرام ہے۔ جمہور سلف وخلف کا قول بھی یہی ہے، بلکہ یہ لواطت سے ملتا جلتا فعلِ بد ہے۔'' (مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ۲۶۶/۳۲۔۲۶۷)

امام عطا بن ابی رباح تابعی رحمہ اللہ سے عورتوں کو پشت سے استعمال کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: **تلک کفر ، ما بدأ قوم لوط إلّا ذاک ، أتو النساء فی أدبارهنّ ، ثمّ أتی الرجال الرجال .** ''یہ کفریہ کام ہے۔ قومِ لوط نے اسی فعل سے ابتدا کی تھی، پہلے وہ عورتوں کی دبر میں جماع کرتے تھے، پھر مرد، مردوں سے ایسا کام کرنے لگے۔'' (مساوی الاخلاق للخرائطی : ۴۲۵، وسندہٗ حسنٌ)

امام طاؤس بن کیسان تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا، جو اپنی بیوی سے لواطت کرتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ذلک الکفر . ''یہ کفریہ کام ہے۔''

(السنن الکبریٰ للنسائی : ۹۰۰۴، وسندہٗ صحیحٌ)

ایک روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما سے ایسے انسان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **هـذا يسـائـلنى عن الكفر .** ''یہ شخص مجھ سے کفر کے بارے میں پوچھتا ہے۔'' (مصنف عبد الرزاق : ۱۱/۴۴۲، ح : ۲۰۹۵۳، وسندهٗ صحيحٌ)

نیز فرماتے ہیں: **ائت حرثک من حيث نباته .**

''اپنی کھیتی (بیوی) سے اس جگہ پر جماع کر جہاں سے کچھ اُگ سکے۔''

(السنن الکبرٰی للبيهقی : ۷/۱۹۶، وسندهٗ صحيحٌ)

خود امام طاؤس رحمہ اللہ سے ایسے انسان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

تلک کفرة . ''یہ کفر یہ کام ہے۔''

(السنن الکبرٰی للنسائی : ۹۰۰۶، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **مـن أتـى أدبـار الـرجـال والنساء فقد كــفـــر .** ''جو آدمی مردوں اور عورتوں کی دبر میں جماع کرتا ہے، وہ کفر یہ کام کرتا ہے۔'' (السنن الکبرٰی للنسائی : ۹۰۲۱، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا ابوالدردا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **وهل يفعل ذلک إلّا كافر ؟**

''کیا کافر کے علاوہ کوئی ایسا کام کرسکتا ہے؟''

(زوائد مسند الامام احمد : ۲/۲۱۰، وسندهٗ صحيحٌ)

امام طاؤس تابعی، امام سعید بن مسیّب تابعی، امام مجاہد تابعی اور امام عطا بن ابی رباح تابعی رحمہم اللہ کے بارے میں روایت ہے: **أنّهـم كانوا ينكرون إتيان النساء فى أدبــارهـنّ ويـقـولـون : هو كفر .** ''یہ تابعین رحمہم اللہ عورتوں کی دبر میں جماع کرنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کفر ہے۔'' (سنن الدارمی : ۱۱۸۵، وسندهٗ حسنٌ)

امام عکرمہ تابعی رحمہ اللہ، سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

أنّه كان يكره إتيان الرجل امرأته فى دبرها ، ويعيبه عيبا شديدا .

''آپ رضی اللہ عنہما مرد کے عورت کی دبر میں جماع کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور اس کو سخت برا فعل کہتے تھے۔''(مسند الدارمی : ١١٧٨، وسندہٗ صحیحٌ)

امام مجاہد بن جبر تابعی رحمہ اللہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ (یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور بہت پاک رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **من أتى امرأته في دبرها ، فليس من المتطهّرين .** ''جو اپنی بیوی سے دبر میں جماع کرے، وہ پاکیزہ لوگوں میں سے نہیں ہے۔''(السنن الکبریٰ للنسائی : ٩٠٢٢، تفسیر الطبری : ٣٩٥/٤، وسندہٗ حسنٌ)

اجماع

① امام ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ (٣٦٨۔٤٦٣ھ) فرماتے ہیں: **وفي الإجماع هذا دليل على أنّ الدبر ليس موضع وطئ ، لو كان موضع وطئ ما ردت من لا يوصل إلى وطئها في الفرج ، وفي إجماعهم أيضا على العقيم التي لا تلد لا ترد ...** ''اس اجماع میں یہ دلیل موجود ہے کہ دبر جماع کرنے کی جگہ نہیں ہے، اگر یہ جماع کرنے کی جگہ ہوتی تو اس عورت کے نکاح کو ختم نہ کیا جاتا، جس کی فرج میں وطی ممکن نہیں ہوتی، اسی طرح اجماع ہے کہ اس بانجھ عورت کا نکاح ختم نہیں کیا جائے گا، جو بچہ جننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔۔۔''(الاستذکار لابن عبد البر : ٤٢٣/٥)

② حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٣١۔٦٧٦ھ) لکھتے ہیں: **واتّفق العلماء الذين يعتدّ بهم على تحريم وطئ المرأة في دبرها حائضا كانت أو طاهرا ، لأحاديث كثيرة مشهورة .** ''قابلِ اعتماد علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ عورت کی دبر میں جماع کرنا حرام ہے، خواہ وہ حیض کی حالت میں ہو یا طہر کی حالت میں۔ اس بارے میں بہت سی مشہور احادیث موجود ہیں۔''(شرح صحیح مسلم : ٤٦٣/١)

③ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱-۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: **وأمّا إتيان النساء في الأدبار فهو اللوطيّة الصغرى ، وهو حرام بإجماع العلماء إلّا قوما واحدا شاذا لبعض السلف ، وقد ورد في النهي عنه أحاديث عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .** ''عورتوں کی دبر میں جماع کرنا قومِ لوط کے عمل سے ملتا جلتا کام ہے، یہ باتفاقِ علما حرام ہے، سوائے ایک گروہ کے، جو کہ سلف صالحین سے الگ ہوگیا ہے، حالانکہ اس فعل سے ممانعت کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں۔''

(تفسیر ابن کثیر : ۱۸۳/۳)

④ حافظ مناوی رحمہ اللہ (۹۵۲-۱۰۳۱ھ) لکھتے ہیں: **وما ذكر من أنّ الدبر حرام ، هو ما استقرّ عليه الحال ، وعليه الإجماع الآن في الجملة .**

''دبر میں جماع کے حرام ہونے پر موجودہ زمانے میں اتفاق ہے اور اب فی الجملہ اس پر اجماع ہے۔''(فيض القدير للمناوي : ١٦٩/٥)

⑤ علامہ عینی حنفی (۷۶۲-۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: **وقد انعقد الإجماع على تحريم إتيان المرأة في الدبر ، وإن كان فيه خلاف قديم ، فقد انقطع ، وكلّ من روى عنه إباحته ، فقد روى عنه إنكاره .**

''عورتوں کی دبر میں جماع کے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے، اگر چہ اس میں پرانا اختلاف تھا، لیکن وہ ختم ہوگیا ہے۔ جس شخص سے بھی اس کی اباحت مروی ہے، اس سے اس کا انکار بھی مروی ہے۔''(البناية في شرح الهداية للعيني : ٢٥٥/٦)

⑥ جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (م۱۳۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الإيلاج في الدبر ، وهو حرام بإجماع الأمّة ، لا يشذّ عنهم شاذّ .

''دبر میں جماع کرنے کے حرام ہونے پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔ ان سے کسی اختلاف کرنے والے نے اختلاف نہیں کیا۔''(العرف الشذي : ١/٣)

بہت سارے اہل علم نے اس برے کام کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ حافظ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی رحمہ اللہ (۵۷۸۔۶۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وجمهور السلف والعلماء وأئمّة الفتوٰى على تحريم ذلك .

''جمہور سلف، علمائے کرام اور مفتی ائمہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔''

(الفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم : ١٥٧/٦)

امام مالک رحمہ اللہ (۹۳۔۱۷۹ھ) فرماتے ہیں: **ما علمته حرام .**

''میرے علم کے مطابق یہ حرام ہے۔'' (السنن الكبرٰى للنسائي : ٨٩٨٠، وسندهٗ صحيحٌ)

اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں۔

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰۔۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: **وهـذا هـو الـحقّ الـمتّبـع ، والـصحيح في المسألة .** ''یہی وہ حق ہے، جس کی پیروی ضروری ہے اور اس بارے میں صحیح بات یہی ہے۔'' (تفسير القرطبي : ٩١/٣)

عورت کی دبر استعمال کرنے کو حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) اور ابن حجر ہیثمی (۹۰۹۔۹۷۴ھ) نے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ حافظ مناوی (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ) لکھتے ہیں:

والـنّهي للتحريم ، بل هو كبيرة . ''یہ ممانعت حرمت کے لیے ہے، بلکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔'' (فيض القدير للمناوي : ٣٥٧/٤)

اس گناہ کے خلاف حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۰۸۔۵۹۷ھ) نے تحريم المحل المكروه اور حافظ ابوالعباس القرطبی رحمہ اللہ (۵۷۸۔۶۵۶ھ) نے إظهار إدبار من أجاز الوطئ في الأدبار نامی کتابیں لکھی ہیں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ایک جزء لکھا ہے۔

قرآنی دلائل

دلیل نمبر ① : اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ (البقرة : ۲۲۲)

''پس جب عورتیں (حیض سے) پاک ہوجائیں تو ان سے اس طرح جماع کرو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اور اس فعلِ بد کی بیس کے قریب قباحتیں بیان کرتے ہوئے حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱-۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: **وقد دلّت الآية على تحريم الوطء فى دُبرها من وجهين : أحدهما أنّه أباح إتيانها فى الحرث ، وهو موضع الولد لا فى الحُشّ الذى هو موضع الأذى ، وموضع الحرث هو المراد من قوله ﴿ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ (البقرة : ۲۲۲) الآية ، قال : ﴿ فَأْتُواْ حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ (البقرة : ۲۲۳) ، وإتيانُها فى قبلها مِن دبرها مستفادٌ من الآية أيضا ، لأنّه قال : أنّى شئتم ، أى من أين شئتم من أمام أو من خلف ، قال ابن عبّاس : فأتوا حرثكم ، يعنى الفرج ، وإذا كان اللّٰه حرَّم الوطء فى الفرج لأجل الأذى العارض ، فما الظنُّ بالحشِّ الذى هو محلّ الأذى اللازم مع زيادة المفسدة بالتعرّض لانقطاع النسل والذريعة القريبة جدّاً من أدبار النساء إلى أدبار الصبيان .**

وأيضاً : فللمرأة حقّ على الزوج فى الوطء ، ووطؤها فى دُبرها يفوّتُ حقّها ، ولا يقضى وطَرَها ، ولا يُحَصِّل مقصودها ، وأيضاً : فإنّ الدبر لم يتهيّأ لهذا العمل ، ولم يخلق له ، وإنّما الذى هيء له الفرج ، فالعادلون عنه إلى الدُّبُر خارجون عن حكمة اللّٰه وشرعه جميعاً ، وأيضاً : فإنّ ذلک مضرّ بالرجل ، ولهذا ينهى عنه عقلاءُ الأطبّاء مِن الفلاسفة وغيرهم ، لأنّ للفرج خاصيّة فى اجتذاب الماء المحتقن وراحة الرجل منه والوطءُ فى الدُّبُر لا يعين على اجتذاب جميع الماء ، ولا يخرج كلَّ المحتقن لمخالفته للأمر الطبيعى ،

وأيضاً : يضرّ من وجه آخَر ، وهو إحواجُه إلى حركات متعبةٍ جدّاً لمخالفته للطبيعة ، وأيضاً : فإنّه محلّ القذر والنَّجْوِ ، فيستقبلُه الرَّجل بوجهه ، ويُلابسه ، وأيضاً : فإنّه يضرُّ بالمرأة جداً ، لأنّه واردٌ غريب بعيدٌ عن الطباع ، مُنافر لها غايةَ المنافرة ، وأيضاً ، فإنّه يُحِدثُ الهمَّ والغمّ ، والنفرةَ عن الفاعل والمفعول ، وأيضاً ، فإنه يُسَوِّدُ الوجه ، ويُظلم الصدر ، ويَطمِسُ نور القلب ، ويكسو الوجه وحشةً تصير عليه كالسِّيماء يعرِفُها مَن له أدنى فراسة ، وأيضاً : فإنّه يُوجب النفرة والتباغض الشديد ، والتقاطع بين الفاعل والمفعول ، ولا بُدَّ ، وأيضاً : فإنّه يُفسد حال الفاعل والمفعول فساداً لا يكادُ يُرجَى بعده صلاح ، إلّا أن يشاءَ اللّٰه بالتوبة النصوح ، وأيضاً : فإنّه يُذهبُ بالمحاسن منهما ، ويكسوهما ضِدَّها ، كما يُذهب بالمَوَدَّة بينهما ، ويُبدلهما بها تباغضاً وتلاعُناً ، وأيضاً : فإنّه من أكبر أسباب زوال النِعَم ، وحُلول النِقَم ، فإنّه يوجب اللعنةَ والمقتَ من اللّٰه ، وإعراضه عن فاعله ، وعدم نظره إليه ، فأيُّ خير يرجوه بعد هذا ، وأيُّ شر يأمنُه ، وكيف حياة عبد قد حلَّتْ عليه لعنة اللّٰه ومقته ، وأعرض عنه بوجهه ، ولم ينظر إليه ، وأيضاً : فإنّه يُذهب بالحياءِ جملةً ، والحياءُ هو حياة القلوب ، فإذا فقدها القلبُ ، استحسَن القبيح ، واستقبحَ الحسن ، وحينئذٍ فقد استَحكَم فسادُه ، وأيضاً : فإنّهُ يُحيل الطباعَ عمّا رَكَّبَها اللّٰه ، ويُخرج الإنسانَ عن طبعه إلى طبع لم يُركِّب اللّٰه عليه شيئاً من الحيوان ، بل هو طبع منكوس ، وإذا نُكِسَ الطبعُ انتكس القلب ، والعمل ، والهدى ، فيستطيبُ حينئذٍ الخبيثَ من الأعمال والهيئات ، ويفسد حاله وعملُه وكلامه بغير اختياره .

وأيضاً : فإنّه يُورِث مِنَ الوقاحة والجُرأة ما لا يُورثه سواه ، وأيضاً : فإنّه يُورث مِنَ المهانة والسِّفال والحقَارة ما لا يورثه غيره ، وأيضاً : فإنّه يكسو

العبدَ مِن حُلَّة المقت والبغضاء ، وازدراءِ الناس له ، واحتقارِهم إيَّاه ، واستصغارِهم له ما هو مشاهَدٌ بالحسّ ِ، فصلاة الله وسلامه على مَن سعادةُ الدنيا والآخرة فى هَدْيِه واتّباعِ ما جاء به ، وهلاكُ الدنيا والآخرة فى مخالفة هَدْيِه وما جاء به .

''اس آیت نے دوطرح سے عورت کی دبر میں جماع سے ممانعت پر دلالت کی ہے، ایک تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی کھیتی میں جماع کو جائز قرار دیا ہے اور کھیتی کی جگہ بچہ پیدا ہونے کی جگہ ہے، نہ کہ وہ سوراخ جو کہ گندگی کی جگہ ہے اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ (البقرۃ: ۲۲۲) (جہاں سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) سے مراد یہی کھیتی والی جگہ ہی ہے، نیز فرمایا: ﴿ فَأْتُواْ حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ (البقرۃ: ۲۲۳) (تم اپنی کھیتی کو جہاں سے چاہو، آؤ)، اس آیت سے عورت کے پچھلی جانب سے اس کی اگلی شرمگاہ میں جماع کرنے کی بھی دلیل نکلتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تم جہاں سے چاہو، جماع کرو، یعنی آگے سے یا پیچھے سے۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کھیتی سے مراد اگلی شرمگاہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے عارضی طور پر لاحق ہونے والی گندگی (حیض) کی وجہ سے اگلی شرمگاہ میں جماع کو حرام قرار دیا ہے تو اس سوراخ کے بارے میں کیا خیال ہے، جو مستقل طور پر گندگی کی جگہ ہے، ساتھ ساتھ اس میں جماع کے اور بھی مفاسد ہیں، ان میں ایک انقطاعِ نسل ہے اور دوسرا یہ کہ عورتوں کی پشتوں میں جماع کرنا بچوں کی پشتوں میں جماع (لواطت) کا بڑا سبب ہے۔

اسی طرح جماع میں عورت کا بھی مرد پر حق ہوتا ہے، جو کہ دبر میں جماع کرنے سے ادا نہیں ہوتا اور عورت کی خواہش پوری نہیں ہوتی اور اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح دبر اس مقصد کے لیے نہیں بنائی گئی، بلکہ اس کام کے لیے فرج بنائی گئی ہے، چنانچہ اس کو چھوڑ کر دبر کی طرف جانے والے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور شریعت سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ یہ مرد کے لیے بھی نقصان دہ ہے، اسی لیے عقل مند اطباء اور فلاسفہ وغیرہم اس کام سے منع کرتے ہیں، کیونکہ

فرج میں بہنے والے پانی کو جذب کرنے اور مرد کو راحت دینے کی صلاحیت ہوتی ہے، جبکہ دبر میں جماع کرنا پانی کو جذب کرنے پر مدد نہیں دیتا اور طبعی امر کی مخالفت کی وجہ سے پانی مکمل طور پر خارج نہیں ہوتا۔ ایک اور طرح سے بھی یہ نقصان دہ ہے کہ اس میں طبع کے خلاف حرکات کرنا پڑتی ہیں، جو کہ تھکا دینے والی ہوتی ہیں۔ اسی طرح دبر گندگی اور نجاست کی جگہ ہوتی ہے، اس کی طرف آدمی متوجہ ہوتا اور اس کو استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح یہ عورت کے لیے بھی سخت نقصان دہ ہے، کیونکہ یہ طبع کے بہت خلاف اور منافرت والا کام ہے۔ اسی طرح یہ کام غم و دکھ اور فاعل ومفعول سے نفرت کا باعث بنتا ہے۔ یہ کام چہرے کو سیاہ کرتا اور سینے کو اندھیرا کرتا اور دل کا نور ختم کرتا ہے۔ اس سے چہرے پر سراسیمگی چھا جاتی ہے اور وہ واضح نشانی بن جاتی ہے، جسے ادنیٰ سی فراست والا شخص بھی پہچان جاتا ہے۔ اسی طرح یہ کام ضروری طور پر فاعل ومفعول کے درمیان نفرت، سخت عداوت اور قطع تعلقی کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح یہ کام فاعل اور مفعول کی حالت اتنی خراب کر دیتا ہے کہ اس کی اصلاح ممکن نہیں رہتی، الا یہ کہ سچی توبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہو جائے۔ اسی طرح یہ کام فاعل ومفعول دونوں سے خوبصورتی کو ختم کر دیتا ہے اور انہیں بدصورت بنا دیتا ہے، جیسا کہ ان کی باہم محبت نفرت وعداوت میں بدل جاتی ہے۔ اسی طرح یہ کام نعمتوں کے چھن جانے اور مصیبتوں کے چھا جانے کا بڑا سبب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لعنت، اس کی ناراضی، اس کے اعراض اور بنظر رحمت نہ دیکھنے کا سبب بنتا ہے۔ اس کے بعد ایسا شخص کس خیر کی امید کرے گا اور کس شر سے محفوظ ہو سکے گا، جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی لعنت ہو، وہ اس سے اعراض کر لے اور اس کو بنظر رحمت نہ دیکھے، اس کی زندگی کیسی ہوگی؟ اسی طرح یہ کام حیا کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے اور حیا ہی دلوں کی حیات ہے، جب دل اسے گم کر بیٹھے تو غلط کو درست اور درست کو غلط سمجھنے لگتا ہے، اس وقت خرابی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔

اسی طرح یہ کام طبیعتوں کو اس طریقے سے پھیر دیتا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق کی ہے۔ یہ الٹی طبع ہے اور جب طبع الٹ جائے تو دل اور طور طریقہ بھی الٹ جاتا ہے۔ تب وہ

برے اعمال وحالات کو اچھا سمجھ بیٹھتا ہے اور اس کی حالت، عمل اور کلام بلا اختیار خراب ہو جاتی ہے۔ نیز یہ کام ایسی بے غیرتی اور جرأت پیدا کرتا ہے، جو کسی اور کام سے پیدا نہیں ہوتی۔ نیز اس سے وہ رسوائی، ذلت اور حقارت پیدا ہوتی ہے، جو کسی اور کام سے نہیں ہوتی۔ نیز یہ بندے کو غصے اور کینے کا لباس پہنا دیتی ہے اور لوگ اس کو ذلیل وحقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ مشاہداتی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نبی پر درود وسلام کرے، جس کی اتباع وپیروی میں دنیا وآخرت کی سعادت ہے اور جس کی مخالفت ونافرمانی میں دنیا وآخرت کی بربادی ہے۔''

(زاد المعاد لابن القیم : ٢٥٧/٤)

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

توتی مقبلة ومدبرة فی الفرج . ''اگلی اور پچھلی دونوں جانبوں سے فرج میں ہی جماع کیا جائے گا۔''(السنن الکبریٰ للبیہقی : ١٩٧/٧، وسندہٗ صحیحٌ)

اس آیت کی تفسیر میں امام مجاہد بن جبر تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من أتی امرأته فی دبرها فهو من المرأة مثله من الرجل ، ثمّ تلا ﴿وَيَسْـأَلُونَکَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلاَ تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ أن تعتزلوهن فی المحيض الفرج ، ثمّ تلا ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ قائمة وقاعدة ومقبلة ومدبرة فی الفرج .

''جس آدمی نے اپنی بیوی کی دبر میں جماع کیا، تو اس کا یہ فعل مرد کے ساتھ ایسا کرنے کی طرح ہے، پھر انہوں نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی: **﴿وَيَسْـأَلُونَکَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلاَ تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾** (اے نبی! وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ وہ گندگی ہے، لہٰذا تم حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو، ان کے قریب نہ جاؤ

،حتی کہ وہ پاک ہوجائیں ، جب وہ اچھی طرح پاک ہوجائیں تو اس طرح ان سے جماع کرو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے)،یعنی تم حیض کے دنوں میں عورتوں کی اگلی شرمگاہ سے دور رہو، پھرانہوں نے یہ فرمانِ باری تعالیٰ پڑھا: ﴿ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں،تم اپنی کھیتی کو جس طرح چاہو،آؤ)،یعنی عورت کھڑی ہو،بیٹھی ہو،منہ مرد کی طرف کیے ہوئے ہو یا پشت مرد کی طرف کیے ہوئے ہو، جماع اگلی شرمگاہ میں ہی کرنا ہے۔‘‘(مسند الدارمی : ۱۱۷۵، وسندهٗ صحیحٌ)

نیز فرماتے ہیں: **من حيث أمركم الله أن تعتزلوهنّ في المحيض .**
’’(وہاں جماع کرو) جہاں سے تمہیں حیض کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔‘‘

(مصنف ابن ابی شیبة : ۲۳۲/٤، وسندهٗ صحیحٌ)

عکرمہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **من حيث أمركم أن تعتزلوا .** ’’جہاں سے دور رہنے کا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا تھا(اسی اگلی شرمگاہ میں جماع کرو)۔‘‘(مصنف ابن ابی شیبة : ۲۳۲/٤، وسندهٗ صحیحٌ)

ابراہیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **في الفرج .** ’’اس سے مراد اگلی شرمگاہ میں جماع کرنا ہے۔‘‘(مسند الدارمی : ۱۱۷٤، وسندهٗ صحیحٌ)

ابورزین الاسدی کہتے ہیں: **من قبل الطهر .** ’’اس سے مراد طہر میں جماع کرنا ہے۔‘‘(تفسیر الطبری : ۳۹۱/٤، وسندهٗ صحیحٌ)

امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وطؤهن غير حيض .** ’’حیض کی حالت کے علاوہ جماع کرنا اس سے مراد ہے۔‘‘(تفسیر عبد الرزاق : ۳۳۹/۱، وسندهٗ صحیحٌ)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: **وفيه دلالة حينئذ على تحريم الوطء في الدبر .** ’’اس آیتِ کریمہ میں دبر میں جماع کی حرمت پر دلالت موجود ہے۔‘‘(تفسیر ابن کثیر : ۵۲۳/۱)

دلیل نمبر ② : اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ (البقرة : ٢٢٣)

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تم اپنی کھیتیوں کو جیسے چاہو، آؤ۔''

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: **قالت اليهود : إنّما يكون الحول إذا أتى الرجل امرأته من خلفها ، فأنزل الله : ﴿ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾** (البقرة : ٢٢٣) **، من قدّامها ، ومن خلفها ، ولا يأتيها إلّا في المأتي .** ''یہودی کہتے تھے کہ جب آدمی اپنی بیوی سے جماع اس کے پچھلی جانب سے کرے تو اسی صورت میں بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی، یعنی مرد، عورت سے اگلی جانب سے اور پچھلی جانب سے جماع کر سکتا ہے، لیکن جماع صرف اگلی شرمگاہ میں کرے۔'' (صحیح ابن حبان : ٦١٩٧، وسندہٗ صحیحٌ)

(نیز دیکھیں صحیح مسلم : ١٤٣٥)

عکرمہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **إنّما هو الفرج .**

''اس سے مراد اگلی شرمگاہ ہی ہے۔'' (مسند الدارمی : ١١٦٤، وسندہٗ صحیحٌ)

نیز فرماتے ہیں: **يأتيها كيف شاء ، قائم وقاعد وعلى كلّ حال ، يأتيها ما لم يكن في دبرها .** ''مرد اپنی عورت سے جیسے چاہے، کھڑے، بیٹھے اور ہر حالت میں جماع کر سکتا ہے، لیکن اس کی دبر میں نہیں۔''

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ٢٢٨/٤، وسندہٗ صحیحٌ)

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كانت اليهود لا تألوا ما شددت على المسلمين ، كانوا يقولون : يا أصحاب محمّد ! إنّه والله ما يحلّ لكم أن تأتوا نساء كم إلّا من وجه واحد .** ''یہودی مسلمانوں کو تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ

سے نہ جانے دیتے تھے، وہ کہتے تھے کہ اے محمد (ﷺ) کے ساتھیو! اللہ کی قسم تمہارے لیے عورتوں سے جماع کی صرف ایک ہی صورت جائز ہے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی تو: **فخلّی اللّٰه بين المؤمنين وبين حاجتهم .** ''اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں اور ان کی ضرورت کے درمیان سے آڑ ختم کردی۔'' (مسند الدارمی: ۱۱۶۵، وسندہٗ صحیحٌ)

یہودیوں کا کہنا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کے پیچھے سے اس کا اگلا حصہ استعمال کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنے نظریے کے مطابق صحابہ کرام کو طعنے دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر یہودیوں کا ردّ کر دیا کہ جیسے چاہو اپنی بیویوں کے پاس آؤ، لیکن اس حصہ کو استعمال کرنا ہے، جس سے بچے کی ولادت ہوتی ہے۔

اس آیت کی یہی تفسیر مرہ بن شراحیل الہمدانی نے بیان کی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبة: ۲۳۰/٤، وسندہٗ صحیحٌ)

امام ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

طُهرا ، غير حيّض . ''وہ عورتیں پاک ہوں، حیض کی حالت میں نہ ہوں۔''

(مصنف ابن ابی شیبة: ۲۲۹/٤، وسندہٗ صحیحٌ)

محمد بن کعب القرظی تابعی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہا کرتے تھے:

ائتها مضجعة وقائمة ومنحرفة ومقبلة ومدبرة كيف شئت إذا في قبلها .

''تو اپنی بیوی سے جیسے چاہے جماع کر اس حال میں کہ وہ لیٹی ہوئی ہو، کھڑی ہوئی ہو، ٹیڑھی ہو، منہ تیری طرف کیے ہوئے ہو یا پیٹھ تیری طرف کیے ہوئے ہو، بشرطیکہ جماع اس کی اگلی شرمگاہ میں کرے۔'' (تفسیر الطبری: ۳۹۸/٤، وسندہٗ حسنٌ)

اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ائت حرثك كيف شئت من قبلها ، ولا تأتها في دبرها ، أنّى شئتم ، قال

: كيف شــئتـم . ''تو اپنی کھیتی کو جیسے چاہے، آ، یعنی اگلی شرمگاہ میں جماع کر، دبر میں جماع نہ کر، فرمانِ باری تعالیٰ أَنّٰـی شِـئْتُـمْ سے مراد ہے کہ جیسے چاہو (اگلی شرمگاہ میں جماع کرو)۔'' (تفسیر الطبری : ٣٩٨/٤، وسندہٗ حسنٌ)

سنی مفسر امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی تعالیٰ ذکرہ بذلک : نساء کم مزدرع أولادکم ، فأتوا مزدرعکم کیف شئتم ، وأین شئتم .

''اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ عورتیں تمہارے بچوں (کی پیدا ہونے) کی کھیتیاں ہیں، تم اپنی کھیتیوں (اگلی شرمگاہ میں) کو جیسے چاہو، جہاں چاہو جماع کرو۔''

(تفسیر الطبری : ٣٩٨/٤)

اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أمّـا الـحـرث ، یـعـنی مزرعه ، یحرث فیها . ''کھیتی سے مراد اس کی بیج بونے کی جگہ سے، جس میں وہ ہل چلاتا ہے۔'' (تفسیر الطبری : ٣٩٨/٤، وسندہٗ حسنٌ)

حدیثی دلائل

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (٢٣٨۔٣٢١ھ) لکھتے ہیں: فلمّا تواترت هذه الآثار عـن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم بالنهی عن وطء المرأة فی دبرها ، ثمّ جاء عن أصحابه وعن تابعیهم ما یوافق ذلک وجب القول به وترک ما یخالفه .

''جب رسول اللہ ﷺ سے عورت کی دبر میں جماع سے ممانعت پر یہ احادیث متواتر ہیں، پھر آپ کے صحابہ کرام اور تابعین کرام سے اسی کے مطابق روایات مروی ہیں تو اس (دبر میں جماع کی حرمت) کے قائل ہونا اور اس کے خلاف قول کو چھوڑنا واجب ہے۔''

(شرح معانی الآثار للطحاوی : ٤٦/٣)

محمد بن جعفر الکتانی رحمہ اللہ (١٢٧٤۔١٣٤٥ھ) نے بھی ان احادیث کو ''متواتر'' قرار دیا

ہے۔(نظم المتناثر من الحديث المتواتر للكتانی : ۱۴۹)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: **قد تيقّنّا بطريق لا محيد عها نهى النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم عن أدبار النساء وجزمنا بتحريمه ، ولي في ذلك مصنّف كبير .** ''ہم نے ایسے طریقے (تواتر) سے یقین کیا ہے، جس سے کوئی مفر نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی پچھلی شرمگاہوں میں جماع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہم نے اس کو بالجزم حرام قرار دیا ہے۔اس بارے میں میری ایک ضخیم تصنیف بھی ہے۔''

(سير اعلام النبلاء للذهبی : ۱۲۸/۱۴)

حدیث نمبر ①: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

انّ اليهود قالوا للمسلمين : من أتى امرأته وهي مدبرة جاء ولدها أحول ، فأنزل اللّٰه عزّ وجلّ : ﴿ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ (البقرة : ۲۲۳) **،فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : مقبلة ومدبرة ما كان في الفرج .**

''یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ جو آدمی اپنی بیوی سے جماع اس حالت میں کرے کہ وہ اس کی پشت کیے ہوئے ہو تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ (البقرة : ۲۲۳) (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تم اپنی کھیتی کو جیسے چاہو آؤ)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، عورت تمہاری طرف منہ کیے ہوئے ہو یا پشت جماع جائز ہے، بشرطیکہ اگلی شرمگاہ میں ہو۔''

(شرح معانی الآثار للطحاوی : ۴۱/۳، وسندهٗ صحيحٌ)

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: **ففي توقيف النبيّ صلّى اللّٰه إيّاهم في ذلك على الفرج إعلام منه إيّاهم أنّ الدبر بخلاف ذلك .**

''نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو اگلی شرمگاہ پر موقوف کر دیا ہے، اس میں ان کو یہ بتا دیا ہے

کہ پچھلی شرمگاہ اس کے خلاف (حرام) ہے۔"(شرح معانی الآثار للطحاوی : ۴۱/۳)

حدیث نمبر ②: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ھی اللوطیّة الصغری .**

"**یہ لواطت سے ملتا جلتا کام ہے۔**"(زوائد مسند الامام احمد : ۲۱۰/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

اس کے راوی عمرو بن شعیب کے بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وثّقه الجمهور . "اسے جمہور نے ثقہ قرار دیا ہے۔"

(تهذيب التهذيب لابن حجر : ۳٦/۷)

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی سند کے بارے میں علمائے کرام کی تحقیق ملاحظہ ہو:

① امام حاکم رحمہ اللہ (۳۲۱۔۴۰۵ھ) ایک دوسری روایت کے بارے فرماتے ہیں:

هذا حديث ثقات رواته حفّاظ ، وهو كالآخذ باليد في صحّة سماع شعيب بن محمّد عن جده عبد اللّٰه بن عمرو . "یہ ثقہ راویوں کی بیان کردہ حدیث ہے، اس کے سارے راوی مضبوط حافظے والے ہیں۔ شعیب بن محمد کے اپنے دادا سیدنا عبداللہ بن عمرو سے سماع صحیح ہونے کے بارے میں یہ روایت ایسے ہے، جیسے وہ (شعیب) اپنے ہاتھ کے ساتھ (اپنے دادا کو) پکڑنے والے ہیں۔"(المستدرك للحاكم : ٦٥/۲)

(نیز دیکھیں : السنن الکبریٰ للبیهقی : ۳۱۸/۷۔۳۱۹)

حافظ نووی رحمہ اللہ (٦۳۱۔٦۷٦ھ) لکھتے ہیں: **وأنكر بعضهم سماع شعيب عن جدّه عبد اللّٰه بن عمرو ... هذا إنكار ضعيف ، وأثبت الدارقطنيّ وغيره من الأئمّة سماع شعيب من عبد اللّٰه ، الصحيح المختار الاحتجاج به عن أبيه عن جدّه كما قال الأكثرون .** "بعض محدثین نے شعیب کے اپنے دادا سیدنا عبداللہ بن عمرو سے سماع کا انکار کیا ہے، لیکن یہ انکار بہت کمزور ہے۔ امام دارقطنی اور

دوسرے ائمہ کرام نے شعیب کے سیدنا عبداللہ بن عمرو سے سماع کو ثابت کیا ہے۔صحیح اور مختار بات یہ ہے کہ اس سند سے حجت لی جائے گی،جیسا کہ جمہور محدثین نے فرمایا ہے۔''

(تہذیب الاسماء واللغات للنووی : ۲/۲۹۔۳۰)

حافظ منذری رحمہ اللہ (۵۸۱۔۶۵۶ھ) لکھتے ہیں: **والجمهور علی توثیقه وعلی الاحتجاج بروایته عن أبیه عن جدّه .** ''جمہور کے نزدیک شعیب ثقہ ہیں اور ان کی عن ابیہ عن جدہ والی روایت قابل حجت ہے۔''

(الترغیب والترهیب للمنذری : ٤/٤٩٥)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ (۷۲۳۔۸۰۴ھ) لکھتے ہیں: **احتج به الأکثرون .**

''اکثر محدثین نے اس سند سے حجت لی ہے۔''(البدر المنیر لابن الملقن : ١/٢٦٨)

حدیث نمبر ③ : عبدالرحمٰن بن سابط کہتے ہیں:

سألت حفصة بنت عبد الرحمن هو ابن أبی بکر ، قلت لها : إنّی أرید أن أسألک عن شیء ، وأنا أستحیی أن أسألک عنه ، قالت : سل یا ابن أخی عمّا بدا لک ، قال : أسألک عن إتیان النساء فی أدبارهنّ ، فقالت : حدّثتنی أمّ سلمة : قالت : کانت الأنصار لا تجبّی وکانت المهاجرون تجبّی ، فتزوّج رجل من المهاجرین امرأة من الأنصار ، فجبّاها ، فأبت الأنصاریّة ، فأتت أمّ سلمة ، فذکرت لها ، فلمّا أن جاء النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم استحیت الأنصاریّة وخرجت ، فذکرت ذلک أمّ سلمة للنبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فقال : ادعوها لی ، فدعیت له ، فقال لها ﴿ نِسَاؤُکُمْ حَرْثٌ لَکُمْ فَأْتُوا حَرْثَکُمْ أَنّٰی شِئْتُمْ ﴾ ، صماما واحدا ، والصمام السبیل الواحد .

''میں نے حفصہ بنتِ عبدالرحمٰن سے سوال کیا، یہ عبدالرحمٰن سیدنا ابوبکر کے بیٹے ہیں،

میں نے ان سے عرض کی کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے شرم آتی ہے۔ انہوں نے فرمایا، اے بھتیجے! جو چاہے پوچھو، میں نے ان سے کہا، میں آپ سے عورتوں کی دبر میں جماع کرنے کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں، انہوں نے فرمایا، مجھے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انصار اپنی عورتوں کو اوندھا کر کے ان سے جماع نہیں کرتے تھے، جبکہ مہاجرین ایسا کرتے تھے۔ ایک مہاجر آدمی نے ایک انصاری عورت سے نکاح کیا اور اس سے جماع کرنے کے لیے اوندھا ہونے کا مطالبہ کیا تو اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور یہ واقعہ ذکر کیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انصاری عورت شرم کے مارے باہر چلی گئی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے میرے پاس بلاؤ، اسے بلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ اس کو سنائی: ﴿ **نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ** ﴾ اور فرمایا، صمام (جماع کرنے والی شرمگاہ) ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی راستہ ہے۔'' (مسند الدارمی: ۱۱۵۹، مسند الامام احمد: ۳۰۵/۶، تفسیر الطبری: ۹۲/۲، وسندہٗ حسنٌ)

امام دارمی رحمہ اللہ (۱۸۱۔۲۲۵ھ) فرماتے ہیں: **والصمام : السبيل الواحد .** ''صمام ایک ہی راستہ ہے۔''

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (۲۳۸۔۳۲۱ھ) لکھتے ہیں: **صماما واحد ، فذلك دليل أنّ حكم ضدّ ذلك الصمام بخلاف حكم ذلك الصمام ، ولولا ذلك لما كان لقوله صماما واحد معنى .** ''صمام ایک ہی ہے، یہ الفاظِ نبوی اس بات کی دلیل ہیں کہ اس صمام کے علاوہ کا حکم اس کے خلاف (حرمت والا) ہے، اگر ایسا نہ ہوتو ان نبوی الفاظ کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا۔'' (شرح معانی الآثار للطحاوی: ۴۳/۳)

فائدہ : حافظ بغوی رحمہ اللہ (۴۳۶۔۵۱۰ھ) لکھتے ہیں:

اتّفق أهل العلم على أنّه يجوز للرجل إتيان زوجته فى قبلها من جانب دبرها وعلى أىّ صفة شاء . ''علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ خاوند اپنی بیوی کی اگلی شرمگاہ میں جماع پچھلی جانب سے کرسکتا ہے، اس کے علاوہ جو بھی طریقہ چاہے استعمال کرسکتا ہے۔''(شرح السنة للبغوی : ۱۰۶/۹)

حدیث نمبر ④ :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا ينظر اللّٰه إلى رجل جامع امرأته فى دبرها .**

''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (بنظرِ رحمت) نہیں دیکھتے، جو اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرتا ہے۔''(سنن ابن ماجه : ۱۹۲۳، شرح معانی الآثار للطحاوی : ۴۴/۳، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کے بارے میں امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد صحّ عنه . ''یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے۔''

(مسائل الامام احمد واسحاق : ۳۵۳۱)

بوصیری کہتے ہیں: **هذا إسناد صحيح ، رجاله ثقات .**

''یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔''(مصباح الزجاجة : ۹۷/۲)

اس کے راوی الحارث بن مخلد کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الثقات (۴/۴۶) میں ذکر کیا ہے۔

امام ابوعوانہ رحمہ اللہ نے اس سے صحیح ابی عوانہ (۴۴۸۰) میں روایت ذکر کی ہے۔ یہ توثیق ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يعدّ من أهل المدينة .**

''اس کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔''(التاریخ الکبیر للبخاری : ۱۹/۲)

عبدان الاہوازی اور ابنِ شاہین رحمہما اللہ نے اسے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''صدوق'' کہا ہے۔(الکاشف للذهبی : ۱۹۷/۱)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **معروف بصحبة أبی هريرة .**
''یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ہیں۔'' (الاصابة لابن حجر : ۱۷۲/۳)

لہٰذا امام بزار رحمہ اللہ کا اسے ''لیس بمشہور''، حافظ ابن القطان رحمہ اللہ اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا اسے ''مجہول الحال'' کہنا مضر نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ راوی بلا شک وشبہ ''حسن الحدیث'' ہے۔

جامع معمر بن راشد (۲۰۹۵۲) کے الفاظ یہ ہیں: **إنّ الذی یأتی امرأة فی دبرها لا ینظر اللّٰه إلیه یوم القیامة .** ''جو شخص کسی عورت سے دبر میں جماع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن (نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھیں گے۔''

حدیث نمبر ⑤ :

سیدنا علی بن طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا تأتوا النساء فی أدبارهنّ ، فإنّ اللّٰه لا یستحیی من الحقّ .** ''تم اپنی عورتوں سے ان کی پشتوں میں جماع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا۔'' (مسند الامام احمد : ۲٤۲٥۱، مسند الدارمی : ۱۱۸۱، سنن الترمذی : ۱۱٦٤، وسندهٗ حسنٌ ، والحدیث صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن'' اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۴۱۹۹) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ اس کا راوی مسلم بن سلام الحنفی ''حسن الحدیث'' ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یروی عنه .** ''اس سے روایت لی جائے گی۔'' (العلل ومعرفة الرجال : ۳۳۹۰)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اپنی الثقات (۱۲۵/۴) میں ذکر کیا ہے۔ امام ابنِ شاہین رحمہ اللہ نے بھی ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (الثقات لابن شاهین : ۱۳۹۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو ''حسن'' کہا ہے۔ یہ بھی توثیق ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وثّق .** ''اس کی توثیق کی گئی ہے۔'' (الکاشف : ۱۲٤/۳)

لہٰذا ایسے راوی کی روایت ''حسن'' درجہ سے کم نہیں ہوتی۔

حدیث نمبر ⑥ : سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

جاء عمر بن الخطّاب إلى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فقال : هلكت ، قال : وما أهلكك ؟ قال : حوّلت رحلي الليلة ، قال : فلم يردّ عليه شيئا ، فأوحى الله إلى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم هذه الآية : ﴿ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ ﴾، يقول : أقبل وأدبر ، واتّق الدبر والحيضة . ''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، میں ہلاک ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کس چیز نے آپ کو ہلاک کر دیا؟ عرض کیا میں نے آج رات اپنا کجاوہ الٹ دیا (اپنی بیوی کو الٹا کر اگلی شرمگاہ میں جماع کیا)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ آیت وحی کی: ﴿ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ ﴾ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، تم اپنی کھیتی کو جس کو جس طرح چاہو، آؤ)، یعنی آگے سے جماع کرو یا پیچھے سے، ہاں دبر سے اور حیض سے بچو'' (مسند الامام احمد : ۲۹۷/۱، سنن الترمذی : ۲۹۸۰، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن''، امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۴۲۰۲) اور امام الضیاء المقدسی (المختارۃ: ۱۰/۱۰۰) اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (فتح الباری: ۱۹۱/۸) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس کے راوی یعقوب بن عبداللہ القمی اور جعفر بن ابی المغیرہ دونوں جمہور کے نزدیک ''ثقہ'' ہیں۔ ان شاءاللہ!

فائدہ : حافظ ابنِ اثیر رحمہ اللہ (۵۵۵۔۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

كنى برحله عن زوجته ، أراد به غشيانها في قبلها من جهة ظهرها ، لأنّ الجامع يعلو المرأة ويركبها ممّا يلي وجهها ، فحيث ركبها من جهة ظهرها

كنى عليه . ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کجاوے سے مراد اپنی زوجہ لی ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی سے اگلی شرمگاہ میں جماع کیا ہے، لیکن پشت کی جانب سے، کیونکہ مرد جماع کی حالت میں عورت کے اوپر ہوتا ہے اور چہرے کی جانب سے اس پر سوار ہوتا ہے، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پشت کی جانب سے سوار ہوئے تو اس طرح کنایہ کیا۔''

(النهاية لابن الاثير : ٢٠٩/٢)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ :

نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، تم اپنی کھیتی کو جس کو جس طرح چاہو، آؤ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: نزلت فی اتیان النساء فی أدبارهنّ .
''یہ آیتِ کریمہ عورتوں سے پچھلی جانب سے جماع کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔''

(تفسیر الطبری : ٣٩٨/٤، وسندهٗ صحیحٌ)

نیز سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ روایت بھی ہے: كان لا یری بأسا أن یأتی الرجل امرأته فی دبرها . ''آپ رضی اللہ عنہما عورت کی پشت کی طرف سے جماع کرنے میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔''

(السنن الکبریٰ للنسائی : ٨٩٨٠، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ان منقول روایات سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ آپ رضی اللہ عنہ عورت کی دبر میں جماع کرنے کو جائز قرار دیتے تھے، بلکہ ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ پیچھے سے آگے والی شرمگاہ میں جماع کرنا جائز ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ سعید بن یسار بن ابی الحباب کہتے ہیں: قلت لابن عمر : إنّا نشتری الجواری ، فنحمّض لهنّ ، قال : وما التحمیض ؟ قال : نأتیهنّ فی أدبارهنّ ، قال : أو أو یعمل هذا مسلم ؟ ''میں سے سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما

سے کہا کہ ہم لونڈیاں خریدتے ہیں اوران سے تحمیض کرتے ہیں، آپ نے پوچھا، تحمیض کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ ہم ان کی دبر میں جماع کرتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا، کیا کوئی مسلمان ایسا کرسکتا ہے؟'' (السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۹۷۹، شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۴۲۶/۱۵، وسندہٗ صحیحٌ)

اب اس کے متعلق علمائے کرام کی تحقیق ملاحظہ ہو:

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: **ومن هاهنا نشأ الغلط علی من نقل عنه الإباحة من السلف والأئمّة ، فإنّهم أباحوا أن يكون الدبر طريقا إلى الوطء فی الفرج ، فيطأ من الدبر لا فی الدبر ، فاشتبه علی السامع ''من'' ب ''فی'' ، ولم يفطن بينهما فرقا ، فهذا الذی أباحه السلف والأئمّة ، فغلط عليهم الغالط أقبح الغلط وأفحشه .** ''اسی سے اس شخص کو غلطی لگی ہے، جس نے سلف اور ائمہ سے اس فعل کی اباحت بیان کی ہے۔ انہوں نے اس چیز کو جائز قرار دیا ہے کہ پچھلا حصہ اگلے حصے میں جماع کا راستہ بنے، چنانچہ مرد پچھلے حصے سے جماع کرے گا، نہ کہ پچھلے حصے میں۔ سننے والے کو 'سے' کا لفظ 'میں' کے ساتھ مشتبہ ہو گیا، وہ دونوں کے درمیان فرق نہیں سمجھ سکا۔ سلف اور ائمہ دین نے اس چیز کو جائز قرار دیا ہے، لیکن غلط بیانی کرنے والے نے ان پر قبیح ترین اور فحش ترین غلط بیانی کی ہے۔'' (زاد المعاد لابن القیم: ۲۶۱/۴)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وهذا محمول علی ما تقدّم ، وهو أنّه يأتيها فی قبلها من دبرها لما رواه النسائی .** ''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے منقول روایات اس بات پر محمول ہیں کہ مرد اپنی بیوی کی پچھلی جانب سے اس کی اگلی شرمگاہ میں جماع کرسکتا ہے، جیسا کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے ان سے روایت بیان کی ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: ۵۲۶/۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: **وقد جاءت رواية**

أخرى عنه بتحريم أدبار النساء ، وما جاء عنه بالرخصة ، فلو صحّ لما كان صريحا ، بل يحتمل أنّه أراد بدبرها من ورائها فى القبل ، وقد أوضحنا المسألة فى مصنّف مفيد ، لا يطالعه عالم إلّا ويقطع بتحريم ذلک .

''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت بھی آئی ہے کہ عورتوں کی پشتوں میں جماع کرنا حرام ہے۔ اور جو رخصت کے بارے میں روایات آئی ہیں، وہ اگر صحیح بھی ہوں تو صریح نہیں۔ بلکہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ پچھلی جانب سے اگلی شرمگاہ میں جماع کرنا جائز ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کو ایک مفید کتاب میں واضح کر دیا ہے۔ کوئی عالم اگر اس کا مطالعہ کرے گا تو ضرور اس کی حرمت کا فیصلہ کرے گا۔''(سیر اعلام النبلاء للذھبی : ۱۰۰/۵)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: وهو الثابت بلا شک عن عبد اللّٰه بن عمر رضى اللّٰه عنه أنّه يحرّمه . ''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے بلاشک وشبہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ اس کام کو حرام قرار دیتے تھے۔''(تفسیر ابن کثیر : ۵۳۳/۱)

نیز فرماتے ہیں: ونصّ صريح منه بتحريم ذلک ، فكلّ ما ورد عنه ممّا يحتمل فهو مردود إلى هذا المحكم . ''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے اس کام کی حرمت کے بارے میں صریح نص موجود ہے، لہٰذا جو کچھ اس بارے میں احتمالی ہے، اس کو اسی محکم کی روشنی میں سمجھیں گے۔''(تفسیر ابن کثیر : ۵۳۳/۱)

الحاصل : عورت سے دبر میں وطی کرنا قرآن وحدیث، اجماعِ امت اور فہمِ سلف کی روشنی میں حرام ہے۔ علماء کے دعویٔ اجماع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیح فعل کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں۔ عمومی دلائل سے اس کا جواز پیش کرنا اجماعِ امت کی خلاف ورزی ہے۔

نمازِ تسبیح کا ثبوت

غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری

اللہ رب العزت کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو نوافل کے ذریعہ سے اپنا قرب بخشا، نیز ان کو مغفرت و معافی کے اسباب عطا فرمائے۔ان میں سے ایک نمازِ تسبیح ہے۔ یہ بڑی فضیلت والی نماز ہے، روزانہ پڑھیں، ہفتہ میں یا مہینہ میں یا سال کے بعد یا زندگی میں ایک بار پڑھ لیں۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت و برکت سے جھولی بھر لیں۔ اس نماز کا ثبوت اور طریقہ ملاحظہ ہو۔

قال الإمام أبو داوٗد : حدّثنا عبد الرحمن بن بشر بن الحكم النيسابوريّ ، حدّثنا موسى بن عبد العزيز ، حدّثنا الحكم بن أبان عن عكرمة عن ابن عبّاس : أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال للعبّاس بن عبد المطّلب : يا عبّاس ! يا عمّاه ! ألا أعطيك ؟ ألا أمنحك ؟ ألا أحبوك ؟ ألا أفعل بك عشر خصال ؟ إذا أنت فعلت ذلك غفر الله لك ذنبك أوّله وآخره ، قديمه وحديثه ، خطأه وعمده ، صغيره وكبيره ، سرّه وعلانيته ، عشر خصال ؛ أن تصلّى أربع ركعات ، تقرأ فى كلّ ركعة فاتحة الكتاب وسورة ، فإذا فرغت من القراءة فى أوّل ركعة وأنت قائم ، قلت سبحان الله والحمد لله ولا إله إلّا الله والله أكبر خمس عشرة مرّة ، ثمّ تركع ، فتقولها وأنت راكع عشرا ، ثمّ ترفع رأسك من الركوع ، فتقولها عشرا ، ثمّ تهوى ساجدا ، فتقولها وأنت ساجد عشرا ، ثمّ ترفع رأسك من السجود ، فتقولها عشرا ، ثمّ تسجد فتقولها عشرا ، ثمّ ترفع رأسك فتقولها عشرا ، فذلك خمس وسبعون فى كلّ ركعة ، تفعل ذلك

فی أربع رکعات ، إن استطعت أن تصلّیها فی کلّ یوم مرّة ، فافعل ، فإن لم تفعل ، ففی کلّ جمعة مرّة ، فإن لم تفعل ففی کلّ شهر مرّة ، فإن لم تفعل ففی کلّ سنة مرّة ، فإن لم تفعل ففی عمرک مرّة .

''سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، اے عباس، اے میرے چچا! کیا میں آپ کو تحفہ نہ دوں، کیا میں آپ کو گراں مایہ چیز مفت میں عطا نہ کردوں، کیا میں آپ کے لیے دس خصلتیں بیان نہ کردوں کہ جب آپ ان کو کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اول وآخر، قدیم وجدید، غلطی سے سرزد ہونے والے اور جان بوجھ کر کیے ہوئے، صغیرو کبیرہ، مخفی وظاہری تمام گناہ معاف کردے؟ وہ دس خصلتیں یہ ہیں کہ آپ چار رکعات ادا کریں۔ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور ایک سورت پڑھیں، پھر پہلی رکعت میں قرائت سے فارغ ہوکر قیام کی حالت میں ہی پندرہ دفعہ یہ دعا پڑھیں: **سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ** (اللہ تعالیٰ پاک ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے)، پھر آپ رکوع کریں اور (رکوع کی تسبیحات کے بعد) رکوع کی حالت میں دس مرتبہ یہ دعا پڑھیں، پھر آپ رکوع سے سر اٹھائیں اور دس مرتبہ یہ دعا پڑھیں، پھر آپ سجدے کے جھک جائیں اور سجدے کی حالت میں (تسبیحات کے بعد) دس مرتبہ یہ دعا پڑھیں، پھر آپ سجدے سے اپنا سر اٹھائیں اور دس مرتبہ یہ دعا پڑھیں، پھر آپ دوسرا سجدہ کریں اور دس مرتبہ یہ دعا پڑھیں، پھر آپ سجدے سے سر اٹھائیں اور دس مرتبہ یہ دعا پڑھیں۔ یہ ہر رکعت میں کل پچھتر تسبیحات ہوجائیں گی۔ چاروں رکعتوں میں اسی طرح کریں۔ اگر آپ روزانہ یہ نماز پڑھ سکتے ہیں تو روزانہ پڑھیں، ورنہ ہر ہفتے، ورنہ ہر مہینے ایک مرتبہ پڑھ لیں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو سال میں ایک مرتبہ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو زندگی میں ایک مرتبہ یہ نماز پڑھ لیں۔'' (سنن ابی داوٗد : ۱۲۹۷، سنن ابن ماجه : ۱۳۸۷، صحیح ابن خزیمة : ۱۲۱٦، المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۱٦۲۲، المستدرك للحاکم : ۱/۳۱۸، وسندہٗ حسنٌ)

ابوحامد احمد بن محمد بن الحسن الشرقی الحافظ کہتے ہیں کہ میں نے امام مسلم رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **لا یروی فی هذا الحدیث إسناد أحسن من هذا .**

''اس حدیث کی اس سے بڑھ کر بہتر سند کوئی نہیں بیان کی گئی۔''

(الارشاد فی معرفة علماء الحدیث للخلیلی : ۳۲۶/۱، وسندهٔ صحیحٌ)

ابنِ شاہین رحمہ اللہ (۲۹۷۔۳۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوداؤد سے سنا:

أصحّ حدیثا فی التسبیح حدیث العبّاس . ''نمازِ تسبیح کے بارے میں سب سے صحیح حدیث، سیدنا عباس کی حدیث ہے۔''(الثقات لابن شاهین : ۱۳۵٦)

حافظ منذری رحمہ اللہ (۵۸۱۔٦۵٦ھ) لکھتے ہیں: **صحّح حدیث عکرمة عن ابن عبّاس هذا جماعة ، منهم : الحافظ أبوبکر الآجری ، وشیخنا أبو محمّد عبد الرحیم المصریّ ، وشیخنا الحافظ أبو الحسن المقدسیّ .**

''اس حدیث کو ائمہ کرام کی ایک جماعت نے صحیح قرار دیا ہے، ان میں سے حافظ ابوبکر الآجری ہیں اور ہمارے شیخ ابومحمد عبدالرحیم المصری ہیں اور ہمارے شیخ حافظ ابوالحسن المقدسی ہیں۔''(الترغیب والترهیب للمنذری : ٤٦٨/۱)

حافظ علائی رحمہ اللہ (۶۹۴۔۷۶۱ھ) لکھتے ہیں: **حدیث حسن صحیح ، رواه أبوداوٗد وابن ماجه بسند جیّد إلی ابن عبّاس .**

''یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس کو امام ابوداؤد اور امام ابنِ ماجہ نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔''(النقد الصحیح : ص ۳۰)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ (۷۲۳۔۸۰۴ھ) فرماتے ہیں: **وهذا الإسناد جیّد .**

''یہ سند جید ہے۔''(البدر المنیر لابن الملقن : ٢٣٥/٤)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: **وهذا إسناد حسنٌ .**

''یہ سند حسن ہے۔''(اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة : ۳۵/۲)

اس حدیث کے متعلق حافظ نووی(۶۳۱۔۶۷۶ھ)اورحافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) کی کلام متناقض ہے۔بعض اہل علم کا اس حدیث کی صحت کا انکار کرنا بے معنیٰ ہے۔علمائے کرام نے اس نماز کے ثبوت وفضیلت پر ایک درجن سے زائد تصانیف کی ہیں۔اس حدیث کے راویوں کے متعلق محدثین کی شہادتیں ملاحظہ ہوں:

① عبدالرحمٰن بن بشر بن الحکم النیسابوری: یہ ثقہ ہیں۔

(تقریب التھذیب لابن حجر : ۳۸۱۰)

② موسیٰ بن عبدالعزیز العدنی : جمہور محدثین کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہیں۔ان کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا أری به بأسا . ''میں اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتا۔''

(العلل ومعرفة الرجال لاحمد بن حنبل : ۳۹۱۹، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۱۵۱/۸)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (الثقات : ۱۵۹/۹)اور امام ابنِ شاہین رحمہ اللہ (الثقات : ۱۳۵۶) نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمہ اللہ (۱۲۶۔۲۱۱ھ) سے ان کے بارے میں پوچھا تو:

فأحسن الثناء علیه . ''آپ نے اس کی تعریف کی۔''

(المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ۳۱۹/۱، وسندہٗ صحیحٌ)

رہا امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کا اسے ''ضعیف'' کہنا (تہذیب التہذیب لابن حجر: ۳۱۸/۱۰) تو یہ ثابت نہیں ہوسکا۔ثابت ہونے کی صورت میں جمہور کی توثیق کے مقابلہ میں ناقابل التفات ہے۔الحافظ السلیمانی کا ان کو''منکر الحدیث'' کہنا بھی مردود ہے۔

اوّلاً یہ جمہور کے خلاف ہے۔ ثانیاً حافظ سلیمانی،ثقہ راویوں کے بارے میں اس طرح کی سخت کلام کرتے رہتے ہیں۔خود حافظ سلیمانی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رأیت للسلیمانیّ کتابا ، فیه حطّ علی کبار ، فلا یسمع منه ما شذّ فیه .

''میں نے حافظ سلیمانی کی ایک کتاب دیکھی ہے، جس میں بڑے بڑے علماء پر کلام کی گئی ہے۔ان کی وہ بات نہیں سنی جائے گی، جس میں انہوں نے عام علماء سے شذوذ اختیار کیا ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء للذھبی : ۲۰۳/۱۷)

موسیٰ بن عبدالعزیز کی دوسری روایات کی علمائے کرام نے ''تصحیح'' کر رکھی ہے۔ یہ ان کی توثیق ہے۔

③ الحکم بن ابان العدنی: اس راوی کی کبار محدثین نے توثیق کر رکھی ہے، سوائے امام ابنِ عدی رحمہ اللہ کے۔امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا **إرم بـه** (اس کو پھینک دو) کہنا ثابت نہیں، کیونکہ امام عقیلی رحمہ اللہ کے استاذ عبداللہ بن محمد بن سعدویہ کی توثیق نہیں مل سکی۔ اگر بالفرض یہ ثابت ہو بھی جائے تو جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلہ میں مردود ہے۔

④ عکرمہ مولیٰ ابنِ عباس: عکرمہ، جمہور کے نزدیک ''ثقہ'' ہیں۔

حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۸ھ) لکھتے ہیں: **وعكرمة عند أكثر الأئمّة من الثقات الأثبات .** ''عکرمہ اکثر ائمہ کے نزدیک ثقہ ثبت راویوں میں سے ہیں۔''

(السنن الکبریٰ للبیقی : ۲۳٤/۸)

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۶۲۷۔۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: **والجمهور وثّقوه ، واحتجّوا به .** ''جمہور نے ان کی توثیق کی ہے اور ان سے حجت لی ہے۔''

(عمدۃ القاری للعینی : ۸/۱)

خلاصة الكلام : صلاۃ التسبیح کے بارے میں حدیث ابنِ عباس کی سند بلا شک وشبہ ''حسن'' ہے۔ان شاءاللہ!

تنبيه بليغ : صلاۃ التسبیح کے بارے میں سنن ابی داوَد (۱۲۹۹) میں ایک انصاری صحابی سے بھی حدیث آتی ہے، جس کی سند بالکل ''صحیح'' ہے، لہٰذا نمازِ تسبیح کے

ثبوت میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

فائدہ نمبر ①: شیخ الاسلام، الامام، المجاہد، عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نمازِ تسبیح کا طریقہ یوں بیان کرتے ہیں: **يكبّر ، ثمّ يقول : سبحانک اللّٰهمّ وبحمدک ، وتبارک اسمک ، وتعالی جدّک ، ولا إله غيرک ، ثمّ يقول خمس عشرة مرّة : سبحان اللّٰه ، والحمد للّٰه ، ولا إله إلّا اللّٰه ، واللّٰه أكبر ، ثمّ يتعوّذ ، ويقرأ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم ، و فاتحة الكتاب ، وسورة ، ثمّ يقول عشر مرات : سبحان اللّٰه ، والحمد للّٰه ، ولا إله إلّا اللّٰه ، واللّٰه أكبر ، ثمّ يركع ، فيقولها عشرا ، ثمّ يرفع رأسه من الركوع ، فيقولها عشرا ، ثمّ يسجد ، فيقولها عشرا ، ثمّ يسجد الثانية ، فيقولها عشرا ، يصلّي أربع ركعات على هذا ، فذلک خمس وسبعون تسبيحة في كلّ ركعة ، يبدأ في كلّ ركعة بخمس عشر تسبيحة ، ثمّ يقرأ ، ثمّ يسبّح عشرا ، فإن صلّى ليلا ، فأحبّ إلى أن يسلّم في الركعتين ، وإن صلّى نهارا ، فإن شاء سلّم ، وإن شاء لم يسلّم .**

''نمازی تکبیر کہے، پھر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھے، پندرہ مرتبہ یہ دعا پڑھے: سُبْحَانَ اللّٰہِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ، وَلاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (اللہ تعالیٰ پاک ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے)، پھر تعوذ و بسم اللہ پڑھ کر سورۃ الفاتحہ اور کوئی ایک سورت پڑھ لے، پھر دس مرتبہ یہی دعا پڑھے، پھر رکوع کرے اور دس مرتبہ یہ دعا پڑھے، پھر رکوع سے سر اٹھائے اور دس مرتبہ یہ دعا پڑھے، پھر سجدہ کرے اور دس مرتبہ یہ دعا پڑھے، پھر دوسرا سجدہ کرے اور دس مرتبہ یہ دعا پڑھے، اسی طرح چار رکعتیں ادا کر لے۔ یہ ہر رکعت میں کل پچھتر تسبیحات ہو جائیں گی، ہر رکعت کو پندرہ دفعہ تسبیح کے ساتھ شروع کرے گا، پھر قرائت کرے گا، پھر دس دفعہ تسبیح پڑھے گا، اگر رات کو نمازِ تسبیح ادا کرے

تو زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے اور اگر دن کو پڑھے تو سلام پھیرے یا نہ پھیرے، درست ہے۔''

(سنن الترمذی ، تحت حدیث : ٤٨١، المستدرك للحاكم : ٣٢٠/١، وسندهٗ صحیحٌ)

فائدہ نمبر ② : علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

اعلم أنّ أكثر أصحابنا الحنفيّة وكثير من المشايخ الصوفيّة ، قد ذكروا في كيفيّة صلاة التسبيح الكيفيّة الّتي حكاها الترمذيّ والحاكم عن عبد اللّٰه ابن المبارك الخالية عن جلسة الاستراحة ، والمشتملة على التسبيحات قبل القراءة وبعد القراءة ، وذلك لعدم قولهم بجلسة الاستراحة في غيرها من الصلوات الراتبة ، والشافعيّة والمحدثون أكثرهم اختاروا الكيفيّة المشتملة على جلسة الاستراحة ، وقد علم ممّا أسلفنا أنّ الأصحّ ثبوتا ، هو هذه الكيفيّة ، فليأخذ بها من يصلّيها حنفيّا كان أو شافعيّا .

''جان لیں کہ ہمارے اکثر حنفی اصحاب اور بہت سے صوفی مشائخ نے نمازِ تسبیح کے طریقے میں اس طریقے کو ذکر کیا ہے، جسے امام ترمذی اور امام حاکم نے امام عبداللہ بن المبارک سے نقل کیا ہے۔ یہ طریقہ جلسہ استراحت سے خالی ہے اور قرائت سے پہلے اور بعد تسبیحات پر مشتمل ہے۔ اکثر احناف نے یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا کہ وہ عام نمازوں میں جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں، جبکہ شوافع اور اکثر محدثین نے نمازِ تسبیح کے اس طریقے کو پسند کیا ہے، جس میں جلسہ استراحت موجود ہے۔ ہماری گزشتہ بحث سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ زیادہ صحیح ثابت یہی (جلسہ استراحت والا) طریقہ ہے۔ نمازِ تسبیح پڑھنے والا خواہ حنفی ہو یا شافعی اسے یہی (جلسہ استراحت والا) طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔''(الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة لعبد الحی :١٤١)

فائدہ نمبر ③ : امام عبدالعزیز بن ابی رزمہ کہتے ہیں کہ امام عبداللہ

ابن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: **يبدأ في الركوع ، سبحان ربّي العظيم ، وفي السجود ، سبحان ربّي الأعلى ثلاثا ، ثمّ يسبّح التسبيحات .**

''نمازِتسبیح پڑھنے والا رکوع میں پہلے تین دفعہ **سبحان ربّي العظيم** پڑھے گا اور سجدے میں پہلے تین دفعہ **سبحان ربّي الأعلى** پڑھے گا، پھر نمازِتسبیح کی تسبیحات پڑھے گا۔'' (سنن الترمذي ، تحت حديث : ٤٨١، وسندهٗ صحيحٌ)

فائدہ نمبر ④ : نیز فرماتے ہیں کہ میں نے امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے کہا کہ نمازی بھول گیا تو کیا سجدۂ سہو میں بھی دس مرتبہ تسبیحات پڑھے گا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: **لا ، إنّما هي ثلاثمائة تسبيحة .**

''نہیں، یہ صرف (چار رکعات میں) تین سو تسبیحات ہیں۔'' (ایضا ، وسندهٗ صحيحٌ)

تنبیہ : نمازِتسبیح کی جماعت کروانا بدعت ہے، کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ سے اس کی جماعت ثابت نہیں ہے۔ جن نوافل کی جماعت سنت سے ثابت ہے، انہی کو باجماعت ادا کرنا مشروع ہے، ورنہ تو سننِ رواتب کی بھی جماعت جائز ہونی چاہیے، حالانکہ آج تک کسی مسلمان نے ایسا نہیں کیا۔

❀❀❀❀❀❀❀

ایک قیمتی گھڑی

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''رات میں ایک ایسی گھڑی ہے، جسے کوئی مسلمان شخص جب بھی دنیا یا آخرت کی بھلائی کا سوال کرتے ہوئے پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ ضرور عطا کر دیتا ہے اور یہ ہر رات میں ہے۔'' (صحيح مسلم : ٧٥٧)

عورت کی امامت کا مسئلہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

عورت عورتوں کی جماعت کرا سکتی ہے، جیسا کہ امِ ورقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کان یقول : انطلقوا بنا إلی الشھیدۃ ، فنزورھا ، وأمر أن یؤذّن لھا ، وتقام ، وتؤمّ أھل دارھا فی الفرائض .

''رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے، تم ہمارے ساتھ شہیدہ کی طرف چلو، ہم اس کی زیارت کریں۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے لیے اذان کہی جائے، اقامت کہی جائے اور وہ فرض نمازوں میں اپنے گھر والوں کی امامت کریں۔''

(مسند الامام احمد : ٤٠٥/٦، سنن ابی داؤد : ٨٧/١، ح : ٥٩٢، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (١٦٧٦) اور امام ابن الجارود رحمہ اللہ (٣٣٣) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ کسی امام کا کسی راوی کی منفرد روایت کی تصحیح کرنا، اس کی توثیق ہوتی ہے۔

اس کا راوی الولید بن عبداللہ جمیع الزہری جمہور محدثین کے نزدیک ''ثقہ'' ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس سے روایت لی ہے۔

حافظ ابن القطان رحمہ اللہ کا اس کے متعلق **لا یعرف حالہ** کہنا صحیح نہیں اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کا اسے المجروحین (٧٨/٣۔٧٩) میں ذکر کرنا، پھر اسے الثقات (٤٩٢/٥) میں بھی ذکر کرنا تعجب خیز ہے!

گھر والوں سے مراد گھر کی عورتیں ہیں، جیسا کہ امام الائمہ ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے: **باب إمامۃ المرأۃ النساء فی الفریضۃ .** ''فرض نمازوں میں عورت کا عورتوں کی جماعت کرانے کا بیان۔''

امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے بھی ایسے ہی باب قائم کیا ہے۔(الاوسط لابن المنذر :)

دلیل نمبر ② : حجیرہ بنت حصین بیان کرتی ہیں:

أمّتنا أمّ سلمة رضی اللّٰه عنها فی العصر ، فقامت بیننا .

''نمازِ عصر میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہماری امامت کی، وہ ہمارے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔''(المطالب العالیة لابن حجر : ٤٢٧، وسندہٗ صحیحٌ)

امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام اسحاق بن راہویہ اور حافظ ابنِ حزم وغیرہم رحمہم اللہ عورت کی امامت کے جواز کے قائل ہیں۔

جناب عبدالحیٔ لکھنوی حنفی (١٢٦٤۔١٣٠٤ھ) لکھتے ہیں:

ولا یخفی ضعفه ، بل ضعف جمیع ما وجّهوا به الکراهیة ، کما حقّقناه فی تحفة النبلاء ، ألّفناها فی مسئلة جماعة النساء ، وذکرنا هناک أنّ الحقّ عدم الکراهة ، کیف لا ؟ وقد أمّت بهنّ أمّ سلمة ....

''یہ وجہ کہ عورت صف کے درمیان کھڑی ہو کر ممنوع کا ارتکاب کرے گی، اس کا ضعف مخفی نہیں، بلکہ ان تمام کی تمام وجوہ کا ضعیف ہونا مخفی نہیں، جو عورت کی امامت کے مکروہ ہونے کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں، جیسا کہ ہم نے تحفۃ النبلاء میں اس کی تحقیق بیان کر دی ہے۔ہم نے یہ رسالہ عورتوں کی جماعت کے مسئلہ کے بارے میں لکھا ہے۔ہم نے اس میں ذکر کیا ہے کہ حق یہ ہے کہ عورت کی امامت مکروہ نہیں ہے۔عورت کی امامت کیسے مکروہ ہو سکتی ہے؟ جبکہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کی ہے۔۔۔''

(عمدة الرعایة فی شرح الوقایة از لکھنوی : ١٥٢/١)

الحاصل : عورت، عورتوں کی امام بن سکتی ہے، یہی حق ہے۔کراہت کے قائلین کا قول بے دلیل ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہے۔